جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جون ۱۹۹۷ء

صفر المظفر ۱۴۱۸ھ

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے دس باتوں کی وصیّت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے دس باتوں کی وصیّت فرمائی۔

(۱) اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنا اگرچہ تو قتل کر دیا جائے اور تجھے جلا دیا جائے۔

(۲) اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا اگرچہ تجھے حکم دیں کہ اپنے گھر والوں کو اور مال و دولت کو چھوڑ کر نکل جا۔

(۳) فرض نماز ہرگز قصدًا نہ چھوڑ کیونکہ جس نے قصدًا فرض نماز چھوڑ دی اس سے اللہ کا ذمّہ بری ہوگیا۔

(۴) شراب ہرگز مت پی، کیونکہ وہ ہر بے حیائی کی جڑ ہے۔

(۵) گناہ سے بچ کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی نازل ہو جاتی ہے۔

(۶) میدانِ جہاد سے مت بھاگ اگرچہ (دوسرے) لوگ (تیرے ساتھی) ہلاک ہو جائیں۔

(۷) جب لوگوں میں (وبائی) موت پھیل جائے اور تو وہاں موجود ہو تو وہاں جم کر رہنا۔ (اس جگہ کو چھوڑ کر مت جانا۔)

(۸) اور جن کا خرچہ تجھ پر لازم ہے (بیوی بچّے وغیرہ) اُن پر اپنا اچھا مال خرچ کرنا۔

(۹) اور اُن کو ادب سکھانے کے پیشِ نظر اُن سے اپنی لاٹھی ہٹا کر مت رکھنا۔

(۱۰) اور اُن کو اللہ (کے احکام و قوانین) کے بارے میں ڈراتے رہنا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۸ از مسند احمد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۵ | صفر المظفر ۱۴۱۸ھ ـ جون ۱۹۹۷ء | شمارہ : ۹

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ـ ـ ـ ـ ـ سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ـ ـ ـ ″ ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ″ ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ″ ۱۶ ڈالر

برطانیہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ″ ۱۷ ڈالر

◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ...۵۴ فون ۷۷۲۴۴۲۷۳-۲۰۱۰۸۶

فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

◯

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ"، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ——— ۳

درسِ حدیث ——— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۶

سلام ——— حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب ——— ۱۳

مقاصدِ شریعت ——— حضرت مولانا قاری محمد طیّبؒ ——— ۱۴

حیلے اور بہانے ——— حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری ——— ۲۲

حمد ——— جناب سیّد امین گیلانی صاحب ——— ۲۶

قاری عبدالرشید صاحبؒ ——— قاری قیام الدین صاحب ——— ۲۷

نذرانۂ عقیدت ——— مولانا قاری غلام مصطفٰے صاحب ——— ۳۲

ذہنی ارتداد ——— مفتی محمد سلمان صاحب ——— ۳۳

حروفِ سبعہ ——— جناب مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ——— ۳۷

وفیات ——— ۵۱

حاصل مطالعہ ——— مولانا نعیم الدین صاحب ——— ۵۴

تقریظ و تنقید ——— ۶۱

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمده ونصلّی علی رسوله الکریم ۔ امابعد!

گزشتہ چند برسوں سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان متنازع مسئلہ کشمیر پر عام روش سے ہٹ کر ایک نئی اور سنجیدہ سوچ سامنے آرہی ہے خاص طور پر مسلم لیگ کے گزشتہ دورِ اقتدار میں یہ مسئلہ بہت اُبھر کر سامنے آیا ـــــ اور موجودہ دورِ اقتدار میں بھی وزیرِ اعظم نواز شریف اس تنازع کے حل میں خاصے سرگرم نظر آرہے ہیں۔ اُن کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلہ کے حل کے لیے بہت فراخ دل ہیں اور یہ کہ عسکری قوّتیں بھی اُن کی ہمنوائی کر رہی ہیں۔ اگر فی الواقع ایسا ہے تو یہ ایسی فکری تبدیلی ہے کہ جس کے بہت اچھے اثرات پُورے جنوبی ایشیا پر مرتّب ہوسکتے ہیں۔ اس کام کو اصل میں بہت پہلے شروع ہوکر مکمّل ہو جانا چاہیے تھا تاکہ اس کے مثبت اثرات سے جنوبی ایشیا بہرہ ور ہوکر غلامی کے طوق سے نجات پا چکا ہوتا۔ تاہم جذبات سے بالا ہوکر حقائق کو پیشِ نظر رکھتے ہُوئے "دیر آید درست آید" کے مصداق اسی عمل کو اب بھی بروقت کہا جا سکتا ہے۔

مالدیپ میں نویں سارک سربراہی کانفرنس کے موقع پر وزیرِ اعظم نواز شریف کا یہ بیان کہ "ہمیں دیرینہ مسائل کو ہمیشہ کے لیے حل کرنے کی خاطر عدل وانصاف کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔" اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ انھیں اس بات کا پُوری طرح احساس ہے کہ گزشتہ پچاس برس سے ہم جہالت، بھوک بیماری اور غُربت جیسے مسائل میں اسی لیے جکڑے ہُوئے ہیں کہ یہاں کے ممالک کے تمام وسائل

باہمی لڑائی جھگڑے کی نظر ہوتے رہے ہیں اور اس سلسلہ میں حالات سدھارنے کی ہر کوشش عالمی قوّتوں کی پسند اور ناپسند کی نظر ہوتی رہی ہے ۔

کانفرنس میں وزیرِ اعظم کا یہ کہنا کہ "ہم خطے میں اب تا دیر کشیدگی اسلحہ کی دوڑ اور دفاعی اخراجات میں مسلسل اضافہ کا مزید بوجھ برداشت نہیں کر سکتے ۔" درحقیقت ان خطرات کو بھانپنا ہے جو اِس خطّہ کی غربت اور افلاس کی چکی میں پسنے والی ایک ارب سے زائد آبادی کے ذہنوں میں انتقام اور بغاوت کی شکل میں پروان چڑھ رہے ہیں جس کے نتیجہ میں پاکستان سمیت خطّہ کے تمام ممالک میں تباہی و بربادی کا ایسا طوفان آسکتا ہے جو ہر چیز کو زیر و زبر کر دے ۔ تاریخ شاہد ہے جب بھی کسی مخصوص طبقہ یا ادارہ نے پُرآسائش طرزِ زندگی اختیار کیا اور عام آدمی کو زندگی کی بُنیادی ضرورتوں سے محروم کر کے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تو اس ملک میں انقلاب آ گیا ۔ قرآنِ پاک نے حضرت موسٰی علیہ السّلام کے زمانے میں ایک انقلاب کا تذکرہ ان کلمات سے کیا ہے ۔ ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ونمکّن لھم فی الارض پ ۲۰ ع ۴ ۔ ترجمہ : اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہُوئے پڑے تھے ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور کر دیں اُن کو قائم مقام اور جما دیں ان کو ملک میں" ۔ لہٰذا پاکستان اور خطّہ کے دیگر ممالک کے عافیت اسی میں ہے کہ وہ نوشتہ دیوار پڑھیں اور اس سے پہلے کہ ہم کمّل تباہی سے دوچار ہوں امن و سلامتی کے سائے تلے اس خطّہ میں پوشیدہ قدرت کے لا محدود خزانوں سے اپنی ہی صلاحیتوں کے بل بوتے پر خطّہ کو گُل و گلزار بنا دیں اور ہر طبقہ اور فرد و بشر کو آزادی دیں کہ وہ قدرت کی عطا کردہ صلاحیّتوں کو بروئے کار لا کر خوشیوں اور شادمانیوں سے ہمکنار ہو تاکہ طبقاتی نفرتیں ختم ہوں اور مال دولت سے ہر شخص اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق پُورا پُورا حصّہ پائے ۔

باقی رہا ہندو سے نفرت کرنا تو اس سلسلہ میں اسلام کی بہت واضح تعلیمات ہیں ۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اہلِ کُفر سے دلی تعلّق ہرگز نہ رکھا جائے ۔ قلبی دوستی کفّار کے ساتھ بالکل حرام ہے ۔ قرآنِ پاک میں مُسلمانوں کو اس کی بار بار ہدایت کی گئی ہے ۔ لہٰذا ہندو ہو یا سکھ ، یہودی ہو یا عیسائی اسلام سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے ۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے " الکفر ملت واحدۃ" کفر ایک ہی ملّت ہے ۔ لہٰذا ان سے محتاط رہتے ہوئے قلبی دوستی کے بغیر تجارتی لین دین اور دیگر معاہدات کرنے میں کوئی

حرج نہیں ، بلکہ دیانتداری اور سچائی کے ساتھ تجارت اور دیگر معاملات کرنا اسلام کی اشاعت اور ترقّی کا ذریعہ ہے جس سے کُفر کمزور ہوگا۔ اسلام اور مُسلمان طاقتور ہوں گے ۔ لہٰذا یہ بھی ایک قسم کا جہاد ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاد بالسیف کے لیے ہمہ وقت تیّاری کی اسلام میں خاص طور پر ہدایت کی گئی ہے تاکہ طاقت کا توازن برقرار رہ کر کُفر ذلیل و مغلوب رہے اور مسلمان بَرتر، اگر صحیح معنی میں حکومتی سطح پر اسلامی تعلیمات پر عمل کیا جاتا اور لوگوں میں جذبہ جہاد اور شوقِ شہادت پیدا کیا جاتا تو علاقہ میں امن و آتشی کی فضا ، بہت پہلے قائم ہوچکی ہوتی مگر افسوس اس جذبہ کی جگہ مفاد پرست مقتدر قوّتوں نے "ہندو سے نفرت" کا جذباتی نعرہ عوام کو دے کر اُس کی آڑ میں مسلمانوں کو بُزدل بنادیا اور معاملہ یہاں تک آن پہنچا کہ لوگ ہندو سے تجارت کرنے سے بھی ڈرنے لگے اگر اس جذباتی نعرہ کے بجائے جذبۂ جہاد پیدا کیا جاتا تو آج کُفر مُسلمان کے نام سے لرزاں و ترساں ہوتا خواہ وہ کُفر ہندو کی شکل میں ہوتا یا عیسائیت اور یہودیت یا کسی اور رُوپ میں ہوتا ، مگر اس کے بجائے دُنیا میں سامراج کے آلہ کاروں نے امریکہ برانڈ اسلام کو جب خطرہ میں دیکھا تو فوراً امریکہ برانڈ جہاد کا طبل بجادیا اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو اب تک اس کے بھینٹ چڑھایا جا چکا ہے۔

بہر طور موجودہ وقت مسائل کے حل کے لیے اس لیے بھی زیادہ سازگار ہے کہ ________ ہندوستان کے وزیرِ اعظم اندر کمار گجرال بھی اس سلسلہ میں اپنی حکومتی ٹیم سمیت خاصے سرگرم اور پُر اُمّید معلوم ہو رہے ہے لہٰذا اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ضائع نہ کرنا چاہیے۔ ہماری دُعا ہے کہ تمام اُمور باعزّت طور پر طے پائیں اور اس کے نتیجہ میں اسلام اور مُسلمانوں کو سربلندی نصیب ہو۔ آمین۔

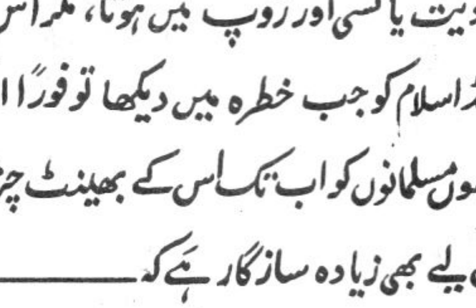

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اجر سے نوازے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالا "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و لاحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ ۱۶ سائیڈ اے ۸۲-۱۰-۲۲

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

اَمَّا بَعد! عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ الْمَخْرَمَۃِ قَالَ لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ یَأْلَمُ فَقَالَ لَہٗ ابْنُ عَبَّاسٍ وَکَاَنَّہٗ یُجَزِّعُہٗ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا کُلَّ ذٰلِکَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَہٗ ثُمَّ فَارَقَکَ وَھُوَ عَنْکَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ اَبَابَکْرٍ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَہٗ ثُمَّ فَارَقَکَ وَھُوَ عَنْکَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِیْنَ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَھُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَھُمْ لَتُفَارِقَنَّھُمْ وَھُمْ عَنْکَ رَاضُوْنَ قَالَ اَمَّا مَا ذَکَرْتَ مِنْ صُحْبَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرِضَاہُ فَاِنَّمَا ذٰلِکَ مَنٌّ مِنَ اللّٰہِ مَنَّ بِہٖ عَلَیَّ وَاَمَّا مَا ذَکَرْتَ مِنْ صُحْبَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ وَّرِضَاہُ فَاِنَّمَا ذٰلِکَ مَنٌّ مِنَ اللّٰہِ مَنَّ بِہٖ عَلَیَّ وَاَمَّا مَا تَرٰی مِنْ جَزَعِیْ فَھُوَ مِنْ اَجْلِکَ وَمِنْ اَجْلِ اَصْحَابِکَ وَاللّٰہِ لَوْ اَنَّ لِیْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَھَبًا لَافْتَدَیْتُ بِہٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ قَبْلَ اَنْ اَرَاہُ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۹)

"حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (ابو لؤلؤ کے خنجر سے) زخمی ہوئے تو کرب و بیچینی کا اظہار کرنے لگے، حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما نے (یہ صورت حال دیکھ کر) حضرت عمرؓ کو تسلّی و تشفی دی اور کہا کہ امیر المؤمنین یہ سب (جزع و فزع اور بے قراری آپ کے شایانِ شان) نہیں ہے، آپ تو وہ ہستی ہیں جنہیں رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت و رفاقت کا شرف حاصل ہوا اور بہت اچھی صحبت حاصل ہوئی اور رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس حال میں آپ سے جُدا ہوئے کہ آپ سے راضی و خوش تھے پھر ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت و مجالست آپ کو نصیب ہوئی اور ان کے ساتھ بھی آپ کی رفاقت بہت اچھی رہی یہاں تک کہ جب وہ آپ سے جُدا ہوئے تو آپ سے خوش تھے، پھر (اپنی خلافت کے زمانے میں) آپ کو مسلمانوں کی خدمت اور رفاقت کا موقع ملا اور ان کی خدمت و رفاقت کا فریضہ بھی آپ نے بڑی اچھی طرح نبھایا، اب اگر آپ مُسلمانوں سے جُدا ہوں گے تو اس حال میں جدا ہوں گے کہ تمام مسلمان آپ سے راضی اور خوش ہیں۔ فاروق اعظمؓ نے (یہ سُن کر) فرمایا: (اے ابن عبّاسؓ) تم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور رضا مندی کا جو ذکر کیا ہے تو بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا احسان ہے جو اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھ پر کیا ہے، اسی طرح تم نے حضرت ابوبکرؓ کی صُحبت و رفاقت اور ان کی خوشنودی کا ذکر کیا ہے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ایک بڑا احسان ہے جس کے ذریعہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے سرفراز کیا ہے رہی میری بے صبری و بے قراری جو تم دیکھ رہے ہو (تو اس کا تعلّق زخم کی تکلیف اور درد و بیچینی پر جزع و فزع سے نہیں ہے بلکہ درحقیقت) یہ تمہارے اور تمہارے ———— دوستوں اور ساتھیوں کے سبب سے ہے خدا کی قسم، اگر میرے پاس تمام زمین کے برابر سونا ہو تو مَیں اس کو اللہ کے عذاب کے بدلے میں قربان کر دوں اس سے پہلے کہ میں اللہ کو (یا اللہ کے عذاب کو) دیکھوں۔"

ایک صحابی ہیں حضرت مسور بن مخرمہؓ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب زخمی کیا گیا جَعَلَ یَاْلَمُ وہ کچھ اَلَمْ درد بیچینی کی کیفیت محسوس فرماتے رہے اُن کے قریب ہی حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما تھے حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے چچازاد بھائی ہیں، اس واسطے سب ان کی توقیر

تعظیم کرتے تھے، مزید یہ ہُوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمادی تھی کہ خُداوندِ کریم ان کو اپنی کتاب کا علم عطا فرما، تو علم اُن کا بڑھتا ہی چلا گیا، سمجھداری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور علم یہ سب باتیں ان میں جمع تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِنہیں اپنے قریب رکھا کرتے تھے، سوالات کرتے رہتے تھے۔ امتحانی سوالات بھی کر لیتے تھے۔ مسئلہ حل کرنا ہوتا تو وہ بھی کر لیتے تھے، مختلف صورتیں چلتی رہتی تھیں، اِن کے بارے میں جو بڑی عُمر کے صحابۂ کرام تھے اُنھوں نے کہا کہ ہمیں "تکلف ہوتا ہے۔ اِنَّ لَنَا اَبْنَآءً ہمارے تو اُن جیسے بچے ہیں جتنی عُمر کے یہ ہیں ہماری اولاد ہیں یہ، ہماری اولاد کی برابر ہیں ———— اور پھر یہ کہ ان کا تجربہ تو اتنا نہیں ہے کوئی بات کرنی ہوتی ہے کوئی مشورہ کرنا ہوتا ہے اس میں ہمیں "تکلف ہوتا ہے اور ان کا موجود رہنا ضرورت سے زائد چیز ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن مظاہرہ کیا جب یہ آئے وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے ایک سوال کیا سب لوگوں سے، آپ لوگ یہ بتلائیں کہ سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کیوں نازل ہُوئی۔ اُس کی غرض و غایت کیا تھی؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ اس میں فتوحات کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ کی طرف سے مدد آئے گی اور جب یہ ہو تو پھر آپ اللہ کی تسبیح و تقدیس کریں، کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، آپ نے حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما سے پُوچھا آخر میں کہ یہ کیا ہے؟ سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے نزول کا مقصد کیا ہے؟ تو اُنھوں نے جواب دیا کہ سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ اَجَلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ———— صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مَا اَعْلَمُ مِنْهَا اِلَّا مَا تَعْلَمُ میں بھی اتنا ہی جانتا ہوں جتنا تم جانتے ہو، یہ اُنھوں نے ایک سوال کیا جس سے ان کی علمی گہرائی اس امتحانی سوال کے جواب سے سب کے سامنے آگئی یہ گویا ان لوگوں کے اشکال کا جواب ہوگیا کہ انہیں بٹھانا جو ہے وہ اس لیے ہے۔

آج اگر کوئی بڑے قانون دان آدمی کو اپنے قریب بٹھاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ قانون چونکہ یہاں یہی ہے اُسی کا جاننے والا پاس بیٹھے، اُسے مستحسن نظروں سے دیکھا جائے گا اچھی نظروں سے دیکھا جائے گا۔ اُس زمانے میں قانون یہی ایک تھا۔ قرآن اور حدیث اور فقہ، تو اِس لیے اِن کا بٹھانا

ایک ایسے آدمی کا بٹھانا تھا جو گویا بڑا قانون دان عالم ہو۔ قانون کا عالم، اس کے علاوہ بعض دفعہ ایسے ہوتا ہے کہ آدمی کو ایک چیز سے شغف ہے وہ اسی کی طرف لگا رہتا ہے دوسری طرف اس سے کبھو بھی، بات بھی کرے تو بے دلی سے بات کرتا ہے، ذہن ہی نہیں چلتا اُس طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ یہ بات بھی ہوتی ہے بعض دفعہ عالم ہیں علمیت ہے ______________ سب کچھ ہے، لیکن کوئی چیز پیش آجائے کسی اور قسم کی جس کا تعلّق اُن سے نہ ہو اُس سے وہ کچھ قطع تعلّق کرلیتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما کا ذہن ہر طرف چلتا تھا وہ مجاہد بھی تھے وہ سیاسی بھی تھے۔ وہ عالم بھی تھے

جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ ہُوا ہے۔ فجر کی نماز میں وہ (حضرت عبداللہ بن عبّاسؓ) فرماتے ہیں کہ میں وضو کر رہا تھا۔ اُنھوں نے (حضرت عمرؓ نے) یہ کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو آگے بڑھادیا اور خود وہ بیٹھ گئے یا لیٹ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مختصر سی نماز پڑھائی جیسے سورۂ اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ اور قُلۡ هُوَ اللّٰهُ یا ان جیسی کوئی سورۃ پڑھی ہو۔ حضرت عمرؓ بہت لمبی نماز پڑھتے تھے۔ سورۂ نحل ہے۔ چودھویں پارے میں تین پاؤ کی اور کبھی سورۂ یُوسف پڑھتے تھے جو تقریباً ڈھائی پاؤ کی ہے۔ اور لوگ جمع ہوجاتے تھے۔ اس وقت، تلاوت طویل ہوتی تھی نماز طویل ہوتی تھی۔ لوگ سب شریک ہوجاتے تھے۔ گویا سلام جب پھیرتے ہوں گے تو اِسفار میں پھیرتے ہوں گے۔ یہاں جناب نے نیت باندھی ہی تھی کہ حملہ ہوگیا اُنھوں نے یہ نہیں کیا کہ نماز توڑ دیتے بلکہ اُنھوں نے نماز کا جو اُصول تھا (کہ پیچھے سے کسی مقتدی کو آگے کر دیا جائے) بڑی حاضر دماغی اور انتہائی حاضر دماغی۔ ایسا زبردست حادثہ پیش آیا۔ پھر بھی اتنا حاضر دماغ ہو آدمی کہ نماز نہ لوگوں کی خراب ہونے پائے اس اُصول کے مطابق اُنھوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھا دیا۔ اُنھوں نے بھی بہت سمجھداری سے کام لیا۔ مختصر نماز پڑھا دی کہتے ہیں کہ جو آگے تھے میرے ساتھ تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ کیا پیش آیا اور جو پیچھے تھے اُنہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ کیا ہُوا ؟ کوئی سبحان اللہ کہہ رہا تھا کوئی کچھ کہہ رہا تھا۔ مسجد کے دونوں دروازوں کی طرف سے یہ آوازیں آرہی تھیں اور اُنھوں نے نماز ختم کر دی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عبّاسؓ سے فرمایا کہ اُنۡظُرۡ مَنۡ قَتَلَنِیۡ کس نے یہ قاتلانہ حملہ کیا ہے ؟ معلوم کرکے آئے تو

معلوم ہُوا اور اُس میں سات آدمی کم از کم ورنہ گیارہ آدمی اور بھی زخمی ہُوئے اور اُن کی وفات بھی ہوگئی، ــــــــ پھر آخر میں یہاں یہ بھی لکھا ہُوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے کیا کہ ایک اونی کپڑا کھینچ کر ڈالا اس پر وہ اُلجھا، اُلجھ کر گرا، گرا تو پھر پکڑ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ مِیْتَتِیْ بِیَدِ رَجُلٍ یَدَّعِی الْاِسْلَامَ اللہ تعالیٰ کا میں شکر کرتا ہوں میری موت ایسے آدمی کے ہاتھ سے نہیں رکھی کہ جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو، یہاں یہ آتا ہے کہ تکلیف جو محسوس کر رہے تھے بے چینی، تو اس میں حضرت ابن عبّاس رضؓ پاس رہے وَکَاَنَّہٗ یُجَزِّعُہٗ باتیں کرنے لگے ایسے جیسے کہ تسلّی دیتے ہوں اور بہت ہی اچھے جُملے کہے یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلَاکُلَّ ذٰلِکَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ساری چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ جو آپ کے لیے باعثِ تکلیف ہوں بلکہ بہت چیزیں آپ کے لیے باعثِ راحت بھی ہیں تو یہ جو آپ کو تکلیف ہے اس کو تھوڑا محسوس کریں آپ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ رہے ہیں فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَہٗ اور اُن کے ساتھ بہت خُوب صُورتی سے وقت گزارا ہے ثُمَّ فَارَقَکَ وَھُوَعَنْکَ رَاضٍ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جُدا ہُوئے، دُنیا سے تشریف لے گئے وَھُوَ عَنْکَ رَاضٍ ثُمَّ صَحِبْتَ اَبَا بَکْرٍ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَہٗ، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ نے اچھا سلوک کیا ثُمَّ فَارَقَکَ وَھُوَعَنْکَ رَاضٍ اور جب وہ دُنیا سے رُخصت ہُوئے وہ بھی خوش تھے آپ سے اور اُن کی شخصیّت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت میں سب سے بڑے درجہ کی تھی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی شخصیّت اگر تھی ایسی کہ جس کی خوشنودی چاہی جائے اس لیے چاہی جائے کہ اللہ خوش ہوگا تو وہ ابوبکر رضؓ ہی تھے اور وہ جب گئے تو آپ کامیاب تھے، آپ اس بات میں کامیاب رہے کہ جب وہ گئے تو آپ سے وہ راضی تھے اور وہ اپنے قائم مقام کر گئے اپنی جگہ نامزد کر گئے - پھر مُسلمانوں کا اور معاملہ پڑا آپ کے ساتھ چونکہ آپ امیر المؤمنین ہوگئے۔ سارے رعایا بن گئے مُسلمان فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَھُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَھُمْ لَتُفَارِقَنَّھُمْ وَھُمْ عَنْکَ رَاضُوْنَ اگر آپ ان سے الگ ہُوئے آپ اُن سے الگ ہوکر اس وقت جائیں گے تو اس حال میں جائیں گے کہ یہ سارے کے سارے آپ سے خوش ہوں گے۔ بہت خوش ہیں آپ سے یہ سب علامتیں ہیں اس بات کی کہ اللہ آپ

سے خوش ہے، کیونکہ اللہ والے خوش ہیں کسی سے تو وہ علامت ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ خوش ہیں اور اگر جن سے معاملہ پڑا ہو لیکن دین کا وہ خوش ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ معاملات میں صاف ہیں۔ خدا کے یہاں ان کا حساب نہیں ہوگا، سارے مسلمان آپ سے راضی ہیں جن میں اولیاء کرام بھی ہیں بڑے بڑے صحابہ کرام ہیں عشرہ بمشرہ میں سے ہیں۔ اور رعایا ہیں سب عام لوگ اگر آپ اب گئے تو سب راضی ہیں آپ سے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ تواضع کا غلبہ ان پر کتنا زیادہ تھا۔ فرماتے ہیں اس بارے میں کہ یہ جو تم نے ذکر کیا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں رہا ہوں اور آپ مجھ سے خوش رہے ہیں تو یہ خدا کا احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا میں اس کا اہل نہیں تھا یہ خدا کا انعام اور احسان ہے پھر اسی طرح ابوبکر رضؓ کے ساتھ رہنا اور انکا خوش رہنا اور اُن کا دُنیا سے خوش جانا یہ بھی خدا کا احسان ہے جو تم نے ذکر کیا میری اپنی کوئی بات نہیں۔ فرمایا کہ یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ میں اس قدر بے چین ہوں تو اس بے چینی کی وجہ زخم کی تکلیف نہیں ہے بلکہ فَھُوَ مِنْ اَجْلِکَ وَمِنْ اَجْلِ اَصْحَابِکَ وہ تمہارے اور تمہارے جیسے دوسرے لوگ ــ یعنی رعایا اور عام مسلمانوں کی طرف سے ہے کہ ان کا انتظام میں کیسے کروں؟ بعد میں آنے والا کون ہے؟ اُلجھن ہے مجھے واضح طور پر، ان کی تشویش ہے کہ یہ جو بعد میں حکومت ہے اسلامی حکومت اُمّتِ مُسلمہ، اس اُمتِ مُسلمہ کا کیا ہوگا میرے بعد؟ یہ میری سمجھ میں واضح طور پر نہیں آتا تو تشویش جو ہے یا بے چینی جو ہے وہ مجھے اس کی بے چینی ہے، میں تکلیف کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ موت آرہی ہے بے چین نہیں ہوں۔

اب کوئی خیال کرے گا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ـــــــ مطمئن ہوں کہ مجھے موت کی بے چینی نہیں ہے موت کا کوئی ڈر نہیں ہے یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کیونکہ ان کی نیکیاں تھیں نیکیاں ہی نیکیاں تھیں جس وجہ سے بے چینی ان کو تھی ہی نہیں یہی وہ فرما رہے ہیں مجھے وہ بے چینی نہیں ہے اس وجہ سے نہیں ہے آخرت کے اعتبار سے نہیں ہے اِس کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے تو اس کا جواب دے رہے ہیں خود ہی فرمایا بات یہ ہے کہ آخرت کے معاملہ میں خُدا سے ڈرتا ہوں ـــــــــــــــ

اور خُدا سے اتنا ڈرتا ہوں اور اس کے عذاب سے وَاللّٰہِ لَوْ اَنَّ لِیْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَھَبًا اگر میرے پاس اتنا سونا ہوتا کہ جو زمین کو بھر دے رُوئے زمین کو، لَا فْتَدَیْتُ بِہٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ خُدا کے عذاب سے اس کی گرفت سے مَیں اتنا ڈرتا ہوں کہ مَیں وہ سارا سونا فدیہ دے دیتا صدقہ کر دیتا کہ عذابُ اللہ سے بچ جاؤں عذابُ اللہ سے بچنا تو بڑی بات ہے قَبْلَ اَنْ اَرَاہُ خُدا کا عذاب دیکھوں بھی نہیں دیکھنے سے بھی بچ جاؤں خدا کے عذاب کو تو یہ نہ سمجھنا کہ مَیں خدا سے بے خوف ہوں یا اپنے اعمال پہ مجھے بھروسہ ہے کہ میں بچ جاؤں گا نہیں ہے

اس حالت میں بھی آتا ہے حدیث شریف میں کہ ایک صاحب آئے اُنھوں نے کلمات کہے اس طرح سے جب جانے لگے تو اُن کے ٹخنے ڈھکے ہوتے تھے آپ نے اُنھیں بُلایا واپس اور فرمایا کہ یَا ابْنَ اَخِیْ اِرْفَعْ ثَوْبَکَ یہ اپنا کپڑا جو ہے یہ اُونچا کرو یہ تہبند جو ہے وہ ذرا اُونچا رکھو اور فرمایا فَاِنَّہٗ اَنْقٰی لِثَوْبِکَ وَ اَتْقٰی لِرَبِّکَ اس میں خدا کے نزدیک تقوٰی یہی ہے کہ ڈھکے نہ رہیں اور تمہارے کپڑے کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو کپڑا خراب اور گیلی جگہ لگنے سے بچا رہے گا۔ وہ بھی اس طرح کہ وہ کپڑا ذرا اُونچا رہے اور اگر کپڑا نیچے گر جاتا ہے، وہ زمین سے لگے گا۔ کسی گیلی جگہ بھی لگ سکتا ہے گندا بھی ہو سکتا ہے ناپاک بھی ہو سکتا ہے تو اس واسطے اس سے بچنا چاہیے، گویا وفات کا وقت قریب ہے ـــــ زخمی حالت میں ہیں اُس وقت یہ حال ہے کہ ایک کلمہ اگر وہ کہہ سکتے ہیں اور بتلا سکتے ہیں تو وہ بتلا رہے ہیں اور اس میں ذرا سا بھی اُنہیں تأمّل نہیں ہو رہا کہ میں توقف کر لوں بُلالیا اور فوراً یہ بات فرمادی کہ دیکھو اس طرح کرو اس طرح نہ کرو کہ منع ہے شریعت میں اور یہ دُرست نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں اپنے فضل وکرم سے اُن حضرات کا ساتھ نصیب فرمائے۔ (آمین)

باسمہٖ تعالیٰ

سلام بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

الٰہی! محبوبِ کُل جہاں کو، دِل و جِگر کا سلام پہنچے
نفَس نفَس کا دُرود پہنچے، نظَر نظَر کا سلام پہنچے

بساطِ عالم کی وُسعتوں سے، جہانِ بالا کی رِفعتوں سے
مَلک مَلک کا دُرود اُترے، بشَر بشَر کا سلام پہنچے

حُضور کی شام شام مہکے، حُضور کی رات رات جاگے
مَلائکہ کے حَسین جلوَ میں، سَحَر سَحَر کا سلام پہنچے

زبانِ فطرت ہے اِس پہ ناطِق، بہ بارگاہِ نبیِؐ صادِق
شجَر شجَر کا دُرود جائے، حجَر حجَر کا سلام پہنچے

رسُولِ رحمت کا بارِ اِحساں، تمام خلقت کے دوش پر ہے
تو ایسے محسِن کو بستی بستی، نگر نگر کا سلام پہنچے

مرا قلَم بھی ہے اُن کا صدقہ، مِرے ہُنر پر ہے اُن کی رحمت
حُضورِ خواجہ، مِرے قلَم کا، مِرے ہُنَر کا سلام پہنچے

یہ اِلتجا ہے کہ روزِ محشر، گناہگاروں پہ بھی نظَر ہو
شفیعِ اُمّت کو ہم غریبوں کی چشمِ تَر کا سلام پہنچے

نفیسؔ کی بس دُعا یہی ہے، فقیر کی اب صدا یہی ہے
سوادِ طیبہ میں رہنے والوں کو عُمر بھر کا سلام پہنچے

صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

شبِ عاشورۂ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ ○ ناچیز: نفیس الحسینی
لاہور

(قسط ۳)

مقاصدِ شریعت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دار العلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حدیث میں فرمایا گیا "اَشَدُّ بَلَآءً اَلْاَنْبِیَآءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ" سب سے زیادہ شدید بلاؤں میں انبیاء گرفتار کیے جاتے ہیں۔ حد سے زیادہ مصیبتیں پڑتی ہیں پھر جو اُن سے زیادہ قریب یا مشابہ ہے وہ اتنا ہی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اہل اللہ پر مصیبتیں نہیں آتیں، فقر و فاقہ نہیں ہوتا۔ وہ نادار نہیں بنتے۔ گھر میں کوئی آگ نہیں لگ جاتی۔ بیمار نہیں پڑتے، ساری آتی ہیں مصیبتیں۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے فرمایا کہ سوچ کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟ عرض کیا کہ محبت ہے۔ فرمایا دیکھو سمجھ کر کہو کیا کہہ رہے ہو؟ یا رسول اللہ! واقعی مجھے محبت ہے فرمایا اگر محبت ہے تو تیار ہو جاؤ فقر و فاقہ کے لیے، تیار ہو جاؤ مصیبتیں جھیلنے کے لیے[1] تو اللہ والوں پہ زیادہ مصیبتیں آتی ہیں، مگر فرق کیا ہے؟ کہ مصیبتیں آتی ہیں، مگر اعضاء رفتہ نہیں ہوتے اُن کے، دل میں پریشانی نہیں ہوتی، دل مگن اور مطمئن رہتا ہے کہ یہ مالک الملک نے بھیجی ہے ہمارے لیے یہی مصلحت ہے تو ہم راضی ہیں اس میں، تو مصیبت نام درحقیقت ہوا آدمی کے قلب کی صفت کا کہ وہ تشویش میں مبتلا ہو یہ ہے مصیبت، اور اگر تشویش نکل جائے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۴۸

دل سے تو وہ مصیبت ختم ہے تو مصیبت نام بیماری کا نہیں، مصیبت نام تنگدستی کا نہیں، یہ تو اسبابِ مصیبت ہیں خود مصیبت نہیں۔

مصیبت قلب کی صفت ہے

مصیبت قلب کی صفت ہے کہ تنگدستی سے پریشان ہو جائے مصیبت ہیں اور اگر کوئی تنگدستی پر راضی اور مطمئن ہو جائے تو اس پر کیا مصیبت آئے۔

بہت سے اہل اللہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ جتنی چیزیں ہمارے پاس ہیں یہ چلی جائیں تو اچھا ہے تاکہ ہم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوں تو ساری چیزیں چھین لو اور زیادہ اُن کا اطمینان بڑھ جاتا ہے۔ حالانکہ نادار ہو گئے، تو ناداری مصیبت نہیں ناداری سے اثر لینا پریشانی کا یہ قلب کی صفت ہے تو مصیبت قلب کی شان ہے۔ بیماری مصیبت نہیں یہ تو سببِ مصیبت ہے۔ ناداری مصیبت نہیں سببِ مصیبت ہے تو راحت اور مصیبت قلب کی صفت ہے، اگر قلب کو دُرست کر لے آدمی اور قلب کو اپنے مرکز سے وابستہ کر دے مصیبت کا کوئی نشان نہیں۔ چاہے بیمار ہو چاہے نادار ہو چاہے تنگدست ہو، تو اصل چیز ہے قلب کی توجہ اور راضی بہ رضا ہو جانا کہ اسی میں ہیں ساری راحتیں۔

یہی شریعتِ اسلام کہتی ہے کہ اگر تم مصیبت سے بچنا چاہتے ہو۔ اگر تم سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو سکون نہ تمہیں بنگلوں میں ملے گا نہ کوٹھیوں میں ملے گا نہ تجوریوں میں ملے گا، سکون تمہیں ملے گا۔ تعلق مع اللہ میں۔ جب اس کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ گے۔ سکونِ تام حاصل ہو جائے گا۔ پریشانی کی جڑ ختم ہو جائے گی۔ یہ چیزیں سکون کا ذریعہ نہیں ہیں یہ ہے بُنیادی چیز: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ذکر اللہ ہی سے قلوب چین پاتے ہیں۔ اس میں اگر بادشاہ بن جاتے تب بھی راضی اور فقیر بن جائے جب بھی راضی۔

حضرت حاجی صاحب رحؒ کا واقعہ

ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ مکہ معظّمہ میں جب ہجرت فرما کر گئے تو اُنھوں نے خود یہ واقعہ میرے والد مرحوم کو سُنایا اور اُنھیں پیار میں بیٹا کہا کرتے تھے۔ عزیز داری بھی تھی۔ رشتہ داری بھی تھی اور بیٹا فرماتے تھے تو اپنا واقعہ خود سُنایا کہ بیٹا جب میں ہجرت کر کے چلا ہوں

یا اللہ ! کچھ بھی گزر جائے مَیں کسی غیر سے مانگنے والا نہیں ہوں، آپ زیادہ سے زیادہ جان لے لیں گے تو جان تو آپ ہی کی ہے میری کب اب یہ کہتے تھے کہ جب دس وقت کا اور گیارہ وقت کا فاقہ ہوگیا۔ اب چلنا پھرنا دُشوار ہوگیا حتّٰی کہ کھڑے ہوکر نماز پڑھنی بھی دُشوار ہوگئی۔ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگا۔ مگر ہر نماز کے بعد عہد کو تجدید کردیتا تھا کہ پکا ہوں۔ اس سے ہٹوں گا نہیں آپ دیں گے کھالوں گا نہیں دیں گے۔ نہیں کھاؤں گا۔ فرماتے تھے کہ جب گیارہ وقت کا فاقہ ہوگیا تو کسی نے دستک دی دروازے پہ مَیں نے کہا کہ بھئی آجاؤ وہ آیا تو اس کے ہاتھ میں چینی کا ایک قاب تھا۔ وہ میرے سامنے رکھ دیا۔ مَیں نے کھولا تو مُرغ کا پلاؤ اس میں پکا ہُوا تھا۔ دل میں یہ خیال گزرا کہ مَیں نے تو عہد کیا تھا کہ غیر اللہ سے نہیں مانگوں گا اور یہ تو غیر اللہ ہی تو لے کر آیا ہے۔ اللہ نے تو بھیجا نہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے عہد میں فرق آجائے اس غیر کے ہاتھ سے، یہ دِل میں خطرہ گزرا تھا تو وہ لانے والا کہتا ہے کہ جو چیز بلا طلب آتی ہے وہ من جانب اللہ ہوتی ہے۔ کھائیے شوق سے مَیں نے کھانا شروع کر دیا۔ خوب شکم سیر ہوکر کھایا، نصف کے قریب باقی رہ گیا تو خطرہ یہ گزرا کہ رات کے لیے رکھ لو، لیکن پھر یہ خیال آیا کہ جس نے گیارہ وقت میں مجھے فراموش نہیں کیا کیا رات کو وہ بھول جائے گا مجھے، یہ بھی ایک قسم کی بے اعتمادی ہے اللہ پہ کہ رات کے لیے رکھوں، ڈھک دی قاب وہ شخص اُٹھا اور قاب اُٹھاتے ہُوئے کہا کہ بہت اچھا ہُوا جو رات کے لیے نہیں رکھا۔ اگر رات کے لیے رکھتے تو ساری عمر فاقے مارا جاتا، فرماتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں کہ وہ کون تھا، کوئی آدمی تھا، کوئی جن تھا۔ کوئی فرشتہ تھا، مگر پھر مَیں نے اُسے نہیں دیکھا۔ وہ چلا گیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بیٹا ! وہ دن ہے اور آج کا دن ہے، دنیا اس کثرت سے میرے گھر میں آرہی ہے کہ بانٹتے بانٹتے تنگ آگیا ہوں لیکن دُنیا ہے کہ آرہی ہے۔ نقد میں نقد، کپڑے میں کپڑا، کھانے میں کھانا اور فرمایا کہ یہ گھر ہے اس میں ہزار درہم اور دینار تو پڑے ہُوئے ہیں۔ صندوقچی کے اندر اور اتنے تھان کپڑوں کے رکھے ہُوئے ہیں اتنے برتن ہیں۔ بانٹتا بانٹتا تنگ آگیا ہوں، پھر آجاتے ہیں یہ کیفیت حضرت کی تھی، خیر تو مجھے سُنانا یہ تھا کہ حضرت کا بہر حال پھر سلسلہ چلا ہزاروں بیعت ہُوئے اور گھر میں بہت کچھ اللہ نے دیا۔

۱۸۵۷ء میں جب انگریزوں کا تسلّط ہوگیا۔ ہندوستان پر اور حضرت حاجی صاحب اور مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی سب کے وارنٹ جاری ہُوئے تو حضرت حاجی صاحب نے ہجرت فرمائی مکہ مکرّمہ فرمایا کہ جب مَیں نے جہاز میں قدم رکھا۔ کراچی کی بندرگاہ سے تو مَیں نے اللہ سے ایک عہد کیا کہ آپ کے گھر جا رہا ہوں مَیں کسی کے دروازے پر نہیں جاؤں گا کسی سے مانگوں گا نہیں آپ کھلائیں گے کھالوں گا۔ ماریں گے مرجاؤں گا۔ جان میری نہیں ہے۔

جان دی دی ہُوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا

تو آپ جان لے لیں گے تو وہ جان میری کب ہے وہ بھی آپ کی ہے مَیں کسی غیر کو نہیں دیکھوں گا۔ میں تو آپ کے گھر جا رہا ہوں۔ یہ ایک عہد کیا (والد صاحب) فرماتے تھے کہ جب مکہ معظّمہ حاضر ہُوئے تو حاجی صاحب کے ساتھ کوئی رقم نہیں تھی۔ کوئی سرمایہ نہیں تھا۔ معمولی کچھ پیسے ناشتہ واشتہ تھا وہ دو تین دن میں ختم ہو گئے۔ اب فاقے شروع ہُوئے اور یہ عہد باندھ لیا تھا کہ نہ مانگوں گا نہ کسی کے دَر پہ جاؤں گا۔ بیٹھ گئے۔ ایک وقت کا فاقہ دو وقت کا، تین وقت کا، فاقوں پہ فاقہ ہو رہا ہے اور کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں۔ اور تعارف ہے نہیں کسی سے، فرماتے تھے کہ جب چار پانچ وقت کا فاقہ ہُوا تو کچھ ضُعف بڑھنا شروع ہوا۔ اَب حرم شریف پہ حاضری ذرا مشکل ہوگئی۔ بہت آہستہ چل کر آنا پڑتا تھا۔ مگر مَیں ہمّت کر کر حرم شریف میں حاضر ہوتا تھا، طواف بھی کرتا تھا۔ نماز بھی پڑھتا تھا۔ اُسی میں فرماتے ہَیں کہ جب پانچ چھ وقت کا فاقہ ہوگیا اور ضُعف زیادہ طاری ہُوا تو ایک مزید چیز اور پیش آگئی کہ میں طواف کر رہا تھا۔ اتّفاق سے کسی بدوی کی لنگی پہ میرا پیر پڑ گیا وہ کھلتے کھلتے رہ گئی اس نے جذبہ میں آکر ایک دھول مارا تو حاجی صاحب کی بڑھاپے کی عمر کمزوری کی اور چھ وقت کا فاقہ تو گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے اُسی میں فرماتے ہَیں کہ مَیں نے دیکھا گویا نیم خواب اور نیم بیداری ہے۔ کشف کی سی کیفیت کہ بیت اللہ کے ایک طرف حضرت جبریل علیہ السّلام کھڑے ہُوتے ہَیں اور ایک طرف حضرت میکائیل علیہ السّلام ہَیں۔ جبریل کہتے ہَیں۔ میکائیل سے کہ بندہ تو بڑا صابر نکلا۔ میکائیل کہتے ہَیں کہ ابھی تھوڑی سی کسر اور ہے جب آنکھ کھلی تو مَیں سمجھا کہ مجھے تسلّی دی گئی ہے۔ مَیں نے پھر عہد کی تجدید کی کہ

حاجی صاحب کے سامان چوری ہوجانے کا واقعہ

چوروں نے دیکھ لیا کہ بھئی ایک مولانا ہیں حاجی صاحب ہیں۔ ان کے گھر میں بہت کچھ ہے۔ یہاں اگر چوری کی تو بہت کچھ ملے گا، رات کو آگئے چور، اور حضرت حاجی صاحب تہجّد پڑھ رہے تھے۔ چوروں کو پتہ نہیں تھا کہ نماز میں معروف ہیں۔ حاجی صاحبؒ نے دیکھ لیا۔ اُنھوں نے سارے گھر کا سامان بٹورا کپڑے اور برتن وغیرہ وغیرہ اُن کی گٹھریاں باندھیں، جب لے جانے لگے تو حضرت نے فرمایا: احمقو بے وقوفو تمہیں چوری بھی کرنی نہیں آتی جو چرانے کی چیز تھی وہ تو لی نہیں نقد تو وہاں رکھا ہُوا ہے کئی ہزار روپیہ، وہ چور بھی شرمندہ اور نادم کہ کس کے گھر میں چوری کرنے آگئے۔ خود ہی دینے کو تیار ہے، وہاں جاکر اُس کوٹھڑی میں دیکھا تو کئی ہزار روپیہ نقد ملا، بہرحال وہ روپیہ اور نقد چیزیں لے لیوا کر چور چل دیے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے کیا کیا جب سارا گھر خالی کر کے چلے گئے آ کر مُصلّٰی پہ دو رکعت نفل پڑھی اور کہا کہ اے اللہ! تیرا شُکر ہے کہ اس وبال کو تُو نے ہٹا دیا اب مَیں تیرے لیے فارغ ہوں۔ رات دن عبادت میں مصروف رہوں گا۔ بڑا شُکر ادا کیا۔ شُکر ادا ہوگیا۔ مال چلا گیا چونکہ حضرت کا تعارف حکومت میں بھی ہوچکا تھا۔ پبلک میں بھی ہوچکا تھا اور شہرت یہ ہُوئی کہ چوری ہوگئی تو چوروں نے جب مال رکھا لے جاکر نیلام گاہ پر تو سینکڑوں مریدین نے پہچان لیا کہ یہ تو حضرت کا مال ہے، وہ سارے چور پکڑے گئے اور گرفتار ہُوئے اور ایک ایک پائی چوروں سے وصول کر لی حکومت نے، اور لاکر پھر سارا مال حضرت کو دیا۔ وہی تھان وہی کپڑے وہی نقدی جب وہ ساری آگئی تو مُصلّٰی بچھا کر دو رکعت نفل پڑھی کہا، یا اللہ! تیرا شُکر ہے۔ میری چیز میرے پاس آگئی یہ اِن حضرات کا مقام ہے کہ چلی جائے چیز جب شُکر گزار اور آجائے جب شُکر گزار، یہ علامت اس کی ہے کہ ان کی نگاہ نعمت اور مصیبت پہ نہیں ہوتی، مصیبت بھیجنے والے پہ ہوتی ہے نعمت دینے والے پہ ہوتی ہے کہ دینے والا کون ہے؟ وہ وہ ہے جو ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ہے تو اس نے اگر مصیبت بھیجی تو یقیناً ہماری خیر خواہی کے لیے بھیجی ہے نعمت بھیجی ہے۔ یقیناً ہماری مصلحت کے لیے بھیجی ہے تو ان لوگوں کی نگاہ نہ نعمت پر ہے نہ مصیبت پر ہے نعمت دینے والے پر ہے مُنعِم پر ہے، مصیبت بھیجنے والے پر ہے مصیبت پر نہیں۔

ساری مصیبتوں کی جڑ؟

اس سے اندازہ ہوا کہ ساری مصیبتوں کی جڑ نگاہ ہے نعمت اور مصیبت کے اُوپر، اہل اللہ اُسے چھوڑ کر مصیبت بھیجنے والے پر نگاہ رکھتے ہیں، اس لیے اُن کے قلب میں نہ کوئی پریشانی ہے نہ کوئی پراگندگی ہے، وہ مُنعِم سے تعلّق قائم کرتے ہیں نعمت سے نہیں نعمت چلی جائے۔ جب بھی نماز پڑھیں گے شُکر اداکریں گے کہ الحمدللہ فارغ ہوگئے آجائے پھر نماز پڑھیں گے شُکر ادا کریں گے کہ اللہ نے پھر گھر بھر دیا ہمارا وہ ہر حالت میں راضی، یہی ہے وہ چیز ہے جسے مَیں نے عرض کیا تھا۔ حدیث میں ہے کہ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَکَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ" مؤمن کی کوئی کل بُری نہیں۔ عجیب شان ہے کہ نعمت آتی ہے تو شُکرگزار ہے اور شُکر کے راستے سے اللہ تک جا پہنچتا ہے مصیبت آتی ہے تو صبر کر رہا ہے اور صبر کے راستے سے اللہ تک جا پہنچتا ہے۔ غرض اس کے یہاں روکنے والی نہ نعمت ہے نہ مصیبت ہے جس پر اس کی نگاہ ہے وہ نعمت کے رستے سے بھی پہنچ جاتا ہے اور مصیبت کے راستے سے بھی وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔

امام اکثمؒ اور اُن کی اہلیہ کا واقعہ

ہمارے عُلماءِ سَلَف میں ایک عالم گزرے ہیں اکثم نحو کے امام تھے، یہ فنِ نحو، نحو اور صرف کا ایک فن ہے جس سے عربی کے قواعد سمجھے جاتے ہیں اس کے بہت بڑے عالم اور امام تھے تو وہ اس قدر بدصُورت تھے کہ جتنی بدصورتی کی علامتیں ساری ان کے بدن میں موجود، رنگ بھی انتہائی کالا اور ہونٹ بھی موٹے اور آنکھیں بھی کرنجی اور دانتوں پہ زردی غرض بدصُورتی کی ساری چیزیں جمع تھیں انتہائی بدصُورت۔ بس علم اللہ نے دے دیا تھا اور بیوی جو ملی تو صوبوں میں اس کی مثال نہیں تھی۔ حُسن و جمال میں وہ اس قدر حسین و جمیل، جب دونوں آمنے سامنے بیٹھتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے دھوپ اور چھاؤں آمنے سامنے ایک طرف دُھوپ کھل رہی ہے اور ایک طرف ظلمانی سایہ تو کہا کرتے اپنی بیوی سے کہ مَیں بھی یقیناً جنتی تو بھی یقیناً جنتی اُس نے کہا آپ کیسے کہتے ہیں یقین سے؟ کہا اس لیے کہتا ہوں کہ مجھے تو تجھ جیسی بیوی ملی کہ اُس کی مثال موجود نہیں صوبوں میں تو میں شُکر کرتا ہوں اور شُکر کے راستے سے اللہ تک جا پہنچوں گا، اور تجھے مجھ جیسا خاوند ملا کہ جس سے زیادہ بدصُورت کوئی

نہیں تو صبر کرتی ہے کہ میری قسمت میں یہی تھا۔ مَیں صابر ہوں تو صبر کے رستے سے جنّت میں پہنچ جائے گی تو مَیں بھی جنتی تو بھی جنتی، تو خیر وہ تو حِسّی طور پر جنتی بنے، مگر اہلِ اللہ معنوی طور پر جنتی بنتے ہیں۔

اہل اللہ کی نظر نعمت و مصیبت کے بجائے اُنکے بھیجنے والے پر ہوتی ہے

نہ نعمت پہ اُن کی نظر ہے نہ مصیبت پہ بھیجنے والے پر نظر ہے تو نعمت آجائے جب بھی مطمئن چلی جائے تب بھی مطمئن یہی وجہ ہے کہ کفّار سے اگر اُن کا سامان چھین لیا جائے تو مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں اس لیے جن چیزوں سے اُن کا سکون متعلّق تھا جب وہ چھن گئیں تو وہ پریشان ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی سلب ہوگئی بے آرام ہوجاتے ہیں اس لیے کہ اُنھوں نے سکون قائم کیا تھا سامانوں سے اور اللہ والوں کے پاس سے سارا سامان نکل جائے اُن کے سکون میں فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ ان کے سکون کا تعلّق تھا ہی نہیں ان چیزوں سے وہ تو بھیجنے والے سے تعلّق تھا اور وہ بدستور موجود ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کی استقامت

جیسے صدّیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا تھا جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہُوئی تو صحابہ پریشان تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک کیفیّت طاری ہوگئی۔ مغلوب الحال ہوگئے اور تلوار لے کر کھڑے ہوگئے کہ اگر کسی نے یُوں کہا کہ حضور کی وفات ہوگئی تو میں گردن اُڑا دوں گا اُس کی، یہ غلبۂ حال میں ایک کیفیت پیدا ہوئی گویا غم کا اتنا غلبہ ہوگیا کہ ہر چیز فراموش ہوگئی اور یہ ہوتا ہے جب کسی حال کا غلبہ ہوتا ہے تو قطعی اور یقینی چیزیں بھی دل میں رہتی تو ہیں مگر دب جاتی ہیں اُوپر نہیں آتیں حالانکہ اُن پر یقین ہے، یقین ہے فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) کو کہ انبیاء علیہم السّلام بھی وفات پانے والے ہیں حضور کی وفات بھی ہوگی قرآن کریم میں صراحۃً فرمایا گیا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ آپ بھی مرنے والے ہیں اور سارے انبیاء اور سارے انسان موت کا ذائقہ چکھنے والے ہیں، لیکن کھڑے ہوگئے کہ جس نے یہ کہا کہ حضور کی وفات ہوگئی میں گردن اُڑا دوں گا۔ انبیاء مرا تھوڑا ہی کرتے ہیں۔ یہ غلبۂ حال تھا، یہ نہیں کہ معاذ اللہ اس آیت پر اُن کا یقین نہیں باقی رہا۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ غلبہ

جب حالت کا ہوتا ہے محبّت کے غلبہ میں بعض دفعہ ایسی کیفیّت ہوتی ہے جس سے ہمیں زیادہ محبّت ہے اور وہ گزر جائے تو ہفتوں، دنوں یقین نہیں آتا کہ کیا واقعی گزر گیا برسہا برس کی صحبت کے بعد جب گزر جائے تو دِل میں ایک قسم کا ریب اور ارتیاب پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو گویا مرنے والی چیز ہی نہیں، کہاں سے مر گیا یہ شخص؟ تو ہفتوں اس میں گزرتا ہے کہ بھلے کیسے ہو سکتا ہے؟ جیسے کہتے ہیں یقین نہیں آتا یقین بھی ہے، مگر اس کے باوجود ایک شک سا رہتا ہے شدّتِ تعلّق (کی بناء پر) تو صحابہ سے زیادہ کس کو شدید تعلّق تھا۔ نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ذہن میں شدّتِ تعلّق کی بناء پر جمتا ہی نہیں تھا کہ حضور کی وفات ہوگئی تو تلوار لے کر کھڑے ہوگئے۔ عُلماء یہی لکھتے ہیں کہ غلبۂ حال تھا اور غلبۂ حال میں یقینی چیزیں ڈھک جاتی ہیں دَب کر رہ جاتی ہیں۔

اُس کی حِسّی نظیر یہ ہے کہ آپ تو گئے ہوں گے چڑیا گھر میں یہاں لندن میں بھی ایک باغ ہے کہ جس کے اندر جانور درندے شیر بھیڑیے پلے ہوئے ہیں۔ آپ شیر دیکھنے کے لیے گئے۔ موٹی موٹی سلاخوں میں آپ نے دیکھا کہ شیر بند ہے قطعی یقین ہے آپ کو کہ یہ باہر نہیں آسکتا نہ مجھ پہ حملہ کر سکتا ہے۔ اس لیے آپ سلاخ کے قریب کھڑے ہوئے ہیں کہ کچھ بھی نہیں کر سکتا، لیکن اگر وہ دھاڑوں کر آئے تو ڈیڑھ گز پیچھے جاتے ہیں۔ آپ ڈر کے مارے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ آپ کا یقین ختم ہوگیا اور شیر سلاخیں توڑ کر نکل آئے گا؟ نہیں، خوف کی وجہ سے خوف کا حال اتنا غالب ہُوا کہ وہ جو یقین تھا کہ نہیں آسکتا وہ دَب کر رہ گیا یقین، تو غلبۂ حال جب ہوتا ہے تو بہت سی یقینی چیزیں مغلوب ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دَب جاتی ہیں تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پہ ایک حال طاری ہُوا اور وہ حال تھا شدّتِ تعلّق کا کہ انبیاء علیہم السّلام بھلا کہیں مرتے ہیں۔ اتنا قدیم تعلّق تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے اُنہیں شک ہوگیا کہ وفات ہُوئی یا نہیں ہُوئی، یہ غلبۂ حال تھا یہ نہیں کہ معاذ اللہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ پر یقین نہیں تھا۔ تو اُس وقت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کھڑے ہُوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ بھلے مانس بیٹھ جائیں وہ (فاروق اعظم رضؓ) تو جوش میں تلوار لیے ہُوئے کھڑے ہوئے تھے اور لوگ ڈر رہے تھے کہ اگر ذرا حضور کی وفات کا ذکر کیا تو یہ گردن اُڑا دیں گے۔ صدّیق اکبرؓ نے فرمایا کہ بھلے مانس بیٹھ جا میرے پاس بیٹھ گئے اب صدّیق اکبرؓ نے فرمایا: "مَنْ کَانَ مِنْکُمْ

(بقیہ بر صـ ۲۵)

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

حیلے اور بہانے

ٹخنے سے نیچا کپڑا پہننے والوں کا غلط حیلہ

(۴۶) احادیث شریف میں بڑی سختی کے ساتھ ٹخنہ سے نیچے کپڑا پہننے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فَفِی النَّارِ[۱] (یعنی جو کپڑا ٹخنہ کے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جانے کا ذریعہ ہے۔) ایسی سخت وعید کے باوجود بہت سے لوگ پائجامہ، لنگی وغیرہ ٹخنے سے نیچے پہنتے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا یہ عمل دوزخ میں لے جانے والا ہے اور گناہ ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ تکبّر اور شیخی کے لیے ٹخنہ سے نیچا پہننا حرام ہے اور ہم تکبّر کی وجہ سے نہیں پہنتے، لہٰذا ہمارا پہننا جائز ہے۔ ان لوگوں کی یہ بات تین وجہ سے غلط ہے۔ اوّل! اس لیے کہ مذکورہ بالا حدیث جو ہم نے بخاری شریف سے نقل کی ہے۔ اس میں تکبّر کا ذکر نہیں ہے۔ مطلقاً ٹخنہ سے نیچا پہننے کو دوزخ میں داخل ہونے کا ذریعہ بتایا ہے۔ دوسرے: اس وجہ سے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اِیَّاکَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّھَا مِنَ الْمَخِیْلَۃِ[۲] (یعنی تہبند کو لٹکانے سے بچو، کیونکہ وہ تکبّر کی وجہ سے ہوتا ہے۔) اس سے معلوم ہوا کہ ٹخنہ سے نیچے پہننا تکبّر ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

تیسرے: اس وجہ سے کہ جو لوگ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ٹخنوں سے

---

[۱] رواہ البخاری باب ما اسفل من الکعبین فھو فی النار

[۲] رواہ ابوداؤد فی کتاب اللباس فی حدیث طویل۔

اُونچا پہنو تو وہ اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ خلافِ شان سمجھنا ہی تو تکبّر ہے جو لوگ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں۔ وہ اس لیے ٹخنوں سے اُونچا نہیں پہنتے کہ یار، دوست اور بازاری لوگ اور دفتر کے ساتھی اچھی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔ حضورِ اقدس سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ کو خلافِ شان سمجھنا اور لوگوں کی نظروں میں باعزّت ہونے کے لیے غیر شرعی طریقہ اختیار کرنا یہ تکبّر نہیں ہے تو کیا ہے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ ؐ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم تکبّر کی وجہ سے نہیں کرتے ہو۔ پس جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے بلا تکبّر کے ٹخنہ سے نیچے پہننا جائز ہوگیا، اسی طرح ہمارے لیے بھی جائز ہے۔

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو اپنے عمل کے لیے دلیل میں پیش کرنا بڑی جہالت اور خود فریبی ہے۔ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ تو خیال کر کے تہبند اُونچا باندھتے تھے۔ کبھی بے دھیانی میں نیچا ہوجاتا تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اِزَارِیْ یَسْتَرْخِیْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاھَدَہٗ [1] (میرا تہبند لٹک جاتا ہے الّا یہ کہ مَیں اس کا دھیان رکھوں) دیکھو اُنھوں نے یہ نہیں فرمایا کہ میں لٹکا لیتا ہوں۔ یہ فرمایا کہ لٹک جاتا ہے۔ اب غور فرمالیں کہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اُوپر باندھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ اور بے خیالی میں نیچا ہو جایا کرتا تھا اور کہاں یہ لوگ جو خود قصداً نیچا سلواتے ہیں اور نیچا پہنتے ہیں اور خُوب خیال سے ٹخنوں کو ڈھانکتے ہیں اور ٹخنہ کھل جائے تو ان کی شان کے لالے پڑ جاتے ہیں، تکبّر میں غرق ہیں اور دعوٰی یہ ہے کہ ہم میں تکبّر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے فریب سے محفوظ فرمائے۔

پھر یہ بات بھی تو پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کو تو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ سند دے دی کہ تم تکبّر کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے ہو۔ ان متکبّروں کے بارے میں کس نے گواہی دی ہے کہ تم میں تکبّر نہیں ہے؛ جبکہ تکبر ہی نے ان کو نیچا کپڑا پہننے پر اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔

ساری حدیثوں کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہننا حرام

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۷۶ از صحیح بخاری

ہے۔ تکبّر کی وجہ سے ہو بلا تکبر۔ نیز یہ بھی احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ یہ ممانعت پائجامہ یا تہبند کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جو کپڑا بھی ٹخنہ سے نیچا ہو خواہ کرتا ہو یا چادر، خواہ اور کوئی کپڑا، حرام ہونے میں سب برابر ہیں[۲]

چوڑی دار پائجامہ اور پتلون بے شرمی کا لباس ہے

بعض لوگ چوڑی دار پائجامہ پہنتے ہیں اور ٹخنہ کو قصداً ڈھانک رکھتے ہیں۔ جب توجہ دلائی جاتی ہے کہ یہ حرام ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ سردی لگتی ہے اس لیے ایسا کرتے ہیں۔ ہم نے تو نہیں دیکھا کہ جو لوگ ٹخنہ سے اُونچا پائجامہ پہنتے ہوں وہ سردی میں گل گئے ہوں۔ پھر سردی کا علاج موزوں سے ہوسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ چوڑی دار پائجامہ کے لوازم میں ٹخنوں کا ڈھکنا ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور سردی کا بہانہ کرتے ہیں اور یہ چوڑی دار پائجامہ پہننا ہی کونسا شریفانہ کام ہے۔ کوئی شرم دار ہو تو اپنے اعضا کو اُبھار اُبھار کر لوگوں کو ہرگز نہ دکھائے گا۔ چست پتلون والے بے شرم بھی اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ شرم کو بالائے طاق رکھ کر اپنے اعضاء کو مٹکاتے پھرتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کہ غُصّہ میں طلاق نہیں ہوتی

(۴۷) بہت سے لوگ میاں بیوی کے جھگڑے میں طلاق دے ڈالتے ہیں۔ پھر جب غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو باوجودیکہ کبھی طلاق بائن یا مغلظہ ہوجاتی ہے۔ پھر بھی بیوی بنا کر رکھے رہتے ہیں، ان کا نفس اور

---

[۱] قال ابن العربي لا يجوز للرجل ان يجاوز بثوبه كعبه ويقول لا اجره خيلاء لان النهى قد تناوله لفظا ولا يجوز لمن تناوله اللفظ حكما ان يقول لا امتثله لان تلك العلة ليست فيّ فانها دعوى غير مسلمة بل اطالته ذيله دالة على تكبره: انتهى ملخصا۔ وحاصله ان الاسبال يستلزم جر الثوب وجر الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللابس الخيلاء: فتح البارى ج ۱۰ ص ۲۶۴۔

[۲] عن سالم عن ابيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال الاسبال فى الازار والقميص والعمامة من جر منها شيئا خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيمة: رواه ابوداؤد والنسائى وابن ماجة، مشكوٰة المصابيح ص ۳۷۴ كتاب اللباس

بے پڑھے جاہل مفتی فتوای دے دیتے ہیں کہ غصّہ میں طلاق نہیں ہوتی۔ یہ غصّہ والا حیلہ بالکل غلط ہے۔شریعت کی رو سے طلاق غصّہ میں بھی واقع ہو جاتی ہے بلکہ مذاق میں بھی ہو جاتی ہے۔ حد یہ ہے کہ نشہ پی کر نشہ میں طلاق دے دے تو وہ بھی واقع ہوجاتی ہے۔ جاہلوں کے فتوٰی پر عمل کرکے زندگی بھر گناہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ غصّہ والا حیلہ بالکل بناوٹی اور خود ساختہ ہے۔

بقیہ مقاصدِ شریعت

يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ "[1]

فرمایا کہ اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی عبادت کرتے تھے تو وہ وفات پا گئے لیکن اگر تم اللہ کی عبادت کرتے تھے تو ———— اللہ آج بھی زندہ ہے کوئی وجہ نہیں ہے کہ دین آگے باقی نہ رہے۔ دین چلے گا اور صدیوں چلے گا اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم رسول ہی تو تھے اللہ کے اور ہزاروں رسول گزر چکے ہیں اگر یہ بھی گزر جائیں تو تعجّب کی کیا بات ہے؟ فاروقِ اعظم رض کہتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا، جیسے آج اُتری ہے یہ آیت اور میں نے کبھی پڑھی ہی نہیں تھی یہ آیت، یہ صدّیقِ اکبر رض کے قلب کا تصرف تھا، ایک ایسی کیفیّت فاروقِ اعظم کے قلب پر طاری ہوئی کہ یہ معلوم ہوا، گویا یہ آیت آج اُتر رہی ہے اور آج میرا عقیدہ بن رہا ہے کہ حضور کی تو وفات ہونے والی ہے تو غلبۂ حال میں بعض دفعہ یقینی چیزیں بھی مغلوب ہوکر رہ جاتی ہیں۔ اسی طرح سے آدمی کے اُوپر اگر غلبہ ہو جائے حالتِ رضا کا کہ جو کچھ ہے وہ سب مِنَ اللہ ہے کوئی سبب کچھ نہیں کرسکتا۔ کرنے والا مُسبّب الاسباب ہے تو پھر اسباب کی طرف سے نظر اُٹھ جاتی ہے۔ باوجودیکہ ہیں اسباب، مشاہدہ ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود نگاہ ہوجاتی ہے۔ مُسَبِّبُ الْاَسْبَابْ کے اوپر، اسباب کالعدم سے ہو جاتے ہیں نگاہ میں۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۴۳ زرقانی ج ۸ ص ۲۸۰

جناب سید امین گیلانی

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ
فَبِاَيِّ آلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

مالکِ کون مکاں ارض و فلک تم ہی تو ہو
پادشاہِ بشر و جنّ و ملک تم ہی تو ہو

جس نے دے دی ہے ستاروں کو چمک تم ہی تو ہو
جس نے بھر دی ہے گلابوں میں مہک تم ہی تو ہو

جس نے سبزے کو عطا کی ہے لہک تم ہی تو ہو
جس نے دے دی ہے یہ چڑیوں کو چہک تم ہی تو ہو

جس نے بلبل کو دیا نالہ، تبسم گل کو
جس نے طاؤس کو بخشی ہے ٹھمک تم ہی تو ہو

گُل اِدھر اور اُدھر ٹانک دیئے ہیں تارے
جس کے ہاتھوں سے سجے فرش و فلک تم ہی تو ہو

جس نے پہنایا ہے یہ رات کو ظلمت کا لباس
جس نے دے دی ہے یہ جگنو کو چمک تم ہی تو ہو

ڈونگرے بخشے ہیں بارش کو، ہوا کو رفتار
جس سے رنگنیاں لے آئی دھنک تم ہی تو ہو

نافِ آہو میں بھری مشک تمہی نے لاریب
جس نے بخشی ہے یہ ہیروں کو دمک تم ہی تو ہو

جس کے ہاتھوں میں زمانے کا ہے سب بست و کُشاد
وہ تو کافر ہے کرے اس میں جو شک تم ہی تو ہو

زلزلے جس کے اشارے سے مچل اُٹھتے ہیں
جس کے ایماء سے ہے کوندوں میں لپک تم ہی تو ہو

تم نے ہی میری نگاہوں کو دیا حسنِ شعور
جس نے رکھ دی ہے میرے دل میں کسک تم ہی تو ہو

دار پر تم نے ہی منصور کو لٹکایا تھا
طور پر جس نے دکھائی تھی جھلک تم ہی تو ہو

ایک کو بخش دیا چرخِ چہارم تم نے
ایک کو لے گئے جو عرش تلک تم ہی تو ہو

کل جہانوں پہ مسلّط ہے تمہاری ہستی
تم ہی بالائے فلک زیرِ فلک تم ہی تو ہو

چین دیتی ہی نہیں کشمکشِ بیم و رجا
آس اگر میری ہو تم میری دھڑک تم ہی تو ہو

جس کے اذکار سے شیریں ہے امیں میری زباں
جس نے گھولا مرے اشکوں میں نمک تم ہی تو ہو

میں لاہور جانا ہُوا۔ ایسا کم دیکھنے میں آیا کہ کوئی مہمان نہ ہو۔ مہمان بھی اکثر اہلِ علم ہوتے۔ مَیں جب دیکھتا کہ صبح کو چولہا جلتا اور رات کو ۱۱-۱۲ بجے تک جلتا ہی رہتا اور وقفہ وقفہ سے روٹیاں لگائی جانے کی دل کش آواز سُنتا تو حیرت ہوتی۔ اور کبھی کبھی اپنی اہلیہ محترمہ سے بطورِ ظرافت و خوش طبعی دریافت کرتا کہ اہلِ جنوں کی مانند تمہارے گھر کے چُولہے کی قسمت میں آرام نہیں۔ اہلیہ سے میرا یہ مقولہ سُن کر سارے اہلِ خانہ مُسکرا اُٹھتے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پُورے گھر میں خاکستر تو دیکھنے میں بھی نہ آتی۔ چونکہ لکڑیوں کا داخلہ بند تھا۔ مگر مہمان نوازی کا بازار گرم رہتا اور کمال یہ ہے کہ واجبی سے مشاہرہ اور اتنے کثیر اخراجات اور مہمانوں کی کثرت کے باوجود قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر معمولی سی شکن اور طبیعت پر ادنیٰ سی گرانی بھی محسوس نہ ہوتی۔ وسیع الظرفی اور لحاظِ مسلک کا یہ عالم تھا کہ لاہور پہنچ کر کسی ہم مسلک مگر ضرورت مند و مخلص ناواقف شخص کو اگر رہائش کے مسئلہ میں دِقّت پیش آتی تو خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتے اور مسجد میں رہائش اور گھر سے کھانے کا انتظام کر دیتے۔ ان کے حافظہ سے صحابہ کرام کی مہمان نوازی کے پاکیزہ واقعات محو نہ تھے۔

ماوٗ مجنوں ہم سبق بُودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و مادر کُوچہا رُسوا شدیم

دل کی دولت

جب ہمارا روحانی عروج تھا۔ اس وقت از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں مہتمم سے لے کر طبّاخ (باورچی) تک صاحبِ دل ہوتے تھے۔ دن کو اپنا کام کرتے اور آخر شب میں اُٹھتے اللہ اللہ کی رُوح پرور آواز چار سمت سے سُنائی دیتی تھی۔ اَب یہ عالم ہے کہ حرص و ہوا اور حُبِّ دنیا کی بدولت قعرِ مذلت میں گرتے جارہے ہیں۔ ہم نااہلوں کے ہاتھوں روحانی سلسلہ بھی ناقابلِ التفات اور ایک رسم ہو کر رہ گیا ہے قوم کی اصلاح و تربیت کا ڈھنڈورا پیٹنے والے خود قابلِ علاج و اصلاح ہیں۔

بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس نزاکتِ حال سے پوری طرح واقف تھے۔ لہٰذا تصوف کے میدان میں بھی اپنے اکابر کے معمول کے مطابق بڑی ذمّہ داری سے اُترے اور شیخ العرب والعجم فخر المحدّثین مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہء مجاز حضرت اقدس مولانا عبد الحکیم رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا

(قسط:٢ آخری)

شخصیات

ایک محقق و تبع سُنّت عالم

حضرة مولانا قاری عبدُ الرشید صاحب رحمہ اللہ

مندرجہ ذیل مضمون حضرت مولانا قاری عبد الرشید صاحب رحمہ اللہ استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور کی شخصیت سے متعلق آپ کے بہنوئی حضرت قاری قیام الدین الحسینی زید مجدہٗ نے تحریر فرمایا ہے اس میں آپ نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے چند اوصاف و امتیازات ذکر کیے ہیں اور اُن کے ساتھ بیتے ہوئے چند ایام کا تذکرہ کیا ہے، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی مفصل سوانح حیات زیرِ ترتیب ہے اس کی اشاعت سے انشاء اللہ آپکے مرتبۂ و مقام نیز آپ کی دینی و ملّی خدمات کا صحیح اندازہ ہوسکے گا (ادارہ)

کثیر الرّماد ہونا

مہمان نوازی ایک قابلِ تعریف وصف ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عرب قوم کا اس بارہ میں بڑا نام ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام بڑے مہمان نواز تھے۔ چند افراد کے لیے صحّت مند فربہ بچھڑا یا بکری ذبح کر کے بھُون کر مہمانوں کے آگے لا کر رکھ دینا ان کے ہاں بڑا کام نہ تھا۔ عرب جب کسی کا مہمان نواز ہونا بیان کرتے تو کہتے فُلَانٌ کثیرُ الرَّمَادِ (فلاں شخص بہت خاکِستر (راکھ) والا ہے، اُن مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ چونکہ مہمان نواز ہے۔ اس کے گھر بکثرت مہمانوں کا آنا جانا ہے اور مہمانوں کے لیے طعام کا انتظام ضروری ہے اور کھانے کی تیاری کے لیے آگ کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور اس کے لیے لکڑیوں کو بھینٹ چڑھانا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے جہاں کثرت سے لکڑیاں جلیں گی وہاں خاکِستر (راکھ) زیادہ ہوگی۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مہمان نوازی کو گو عرب قوم کی مہمان نوازی سے کوئی نسبت نہ ہو، مگر اپنے وسائل و ذرائع کی حد تک آپ کا دستر خوان بڑا وسیع اور عام ہوتا تھا۔ آپ مہمانوں کے علاوہ اپنے احباب و متعلقین کو ضرور شریکِ طعام کرتے اور عُلما۔ کرام اور بیرونی رشتہ دار و غیر رشتہ دار مہمانوں کی آمد پر سابق معمول پر اضافہ بھی ضرور فرماتے۔ بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ راقم السّطور کا جب بھی ان کی زندگی

تعلق قائم کیا اور اُنھوں نے آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا۔

ع وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دُکان اپنی بڑھا گئے۔

جذبۂ خدمت

ایک جید عالمِ دین ہونے کے باوجود قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی مخدومیت کا انداز نہیں اپنایا۔ ہمیشہ خدمت کرنے ہی کو اپنا اعزاز خیال کیا۔ اسی وجہ سے تمام گھر والے انہیں بھائی جان کے الفاظ سے یاد کرتے۔ گویا ایک بڑے بھائی کے لیے جو جو صفات مطلوب ہیں وہ سب بدرجۂ اتم ان میں موجود تھیں۔ آپ کو خانگی حاجات اور بہنوں کی ضروریات و مطالبات کے لیے بار بار بازار جانا پڑتا۔ بازار جاتے اور ان کی پسند کی اشیاء لاکر انہیں مطمئن پاکر آرام سے بیٹھتے۔ سب جانتے ہیں کہ عورتوں کی پسند اور معیار کا سازوسامان بازار سے لانا دکھانا اور ان کو مطمئن کرنا بہت بڑا دردِ سر ہے، مگر آپ اس سے کبھی تنگ نہ ہوتے۔ یہی معاملہ ان کا اپنے برادرانِ عزیز مولانا عبدالحفیظ اور مولانا عبدالوحید سلّمہما اللہ سے تھا۔ یہی نہیں ان کے کسی شاگرد و عزیز دوست و تعلق دار کا کوئی مسئلہ ہوتا۔ بشرطیکہ اس کا حل ان کے بس میں ہوتا تو اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر اسے ضرور حل کرتے اس کے لیے لاہور کے کسی گوشہ میں جانے کی نوبت پیش آتی یا باہر کسی مقام پر اور کیسے ہی اکھڑ اور مخالف و تند خُو سے انھیں مغز مارنا پڑتا ایک حاجت مند مسلمان کے لیے کرگزرتے۔

ع "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شُد"

اصلی گھر جانے سے پہلے آخری ملاقات کرنے آئے

عیدین کے مواقع پر مجھے ذاتی طور پر ان کے پنڈ دادنخان آنے کی کبھی اُمید نہ ہوتی۔ ایسے پُرمسرّت اوقات میں توخود ان کے ہاں بکثرت احباب و متعلقین کی آمدورفت رہتی اور وہ خود بھی احباب کی دلداری کے لیے ان کے ہاں جاتے۔ مگر عیدالفطر کے دوسرے روز ایک نئی عید کا چاند بن کر پنڈ دادنخان پہنچے۔ ان کے ہمراہ دو خواتین اور ان کی بہت سی تمنّاؤں کے مرکز عزیز القدر حافظ مولوی محمد ولید سلّمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ ان کی تشریف آوری سے بہت خوشی ہوئی۔ صبح کا وقت زیادہ تر آرام کرنے میں گزارا۔ نماز ظہر کے بعد چائے

آگئی ابھی فارغ نہ ہوئے تھے کہ اُوپر سے برادرِ محترم مولانا محمد اکرم عابد صاحب ساکن پنسن وال خطیب سرگودھا اور عزیز القدر مولانا محمد رفیق طارق صاحب آگئے۔ باتیں شروع ہوگئیں۔ آپ نے راولپنڈی کے طالب الرحمٰن ـــــ غیر مقلد کے ساتھ مناظرہ کی روئیداد مزے لے لے کر سُنائی۔

نماز مغرب سب نے مسجد میں ادا کی۔ فراغت کے بعد حضرت قاری صاحبؒ دفتر میں کتاب دیکھتے رہے۔ عشاء کے قریب باہر صحن میں آئے۔ راقم السطور کو اپنے رفقاء کے ساتھ خوش طبعی کرتے دیکھ کر فرمانے لگے۔ بھائی صاحب کیا سُنا رہے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ سیّد امین صاحب گیلانی کی ایک غزل کے چند اشعار سُنا رہا تھا۔ فرمانے لگے تو پھر ہمیں بھی سُنائیے۔ مَیں نے درج ذیل اشعار سُنائے۔

تو مجھ پہ مہرباں جو لے دُنیا دکھائی دے ــ کہتا ہے دل یہ مجھ سے کہ دھوکا دکھائی دے
دل میں جو اک ہجومِ تمنّا دکھائی دے ــ چھٹ جائے یہ تو زیست کا رستہ دکھائی دے

ہر زندگی کی موت حفاظت ہے کر رہی ــ ہر زندگی پہ موت کا پہرا دکھائی دے
انساں ہیں گو ہجوم کی صُورت رواں دواں ــ انسانیت ہے جس میں وہ تنہا دکھائی دے
تکتا ہوں ایک ایک کی صُورت ہجوم میں ــ حسرت یہ ہے کہ کوئی تو اپنا دکھائی دے
واللہ ہم نے دیکھے ہیں وہ دیدہ ور جنھیں ــ فرشِ زمیں سے عرشِ مُعلّٰی دکھائی دے
ڈرتا ہوں پھنس نہ جائے کہیں دامِ حرص میں ــ پنچھی کوئی ہَوا میں جو اُڑتا دکھائی دے
سجدہ کیے بغیر گزرتا نہیں امینؔ ــ ان کا جہاں بھی نقشِ کفِ پا دکھائی دے

حضرت قاری صاحبؒ ہر شعر پر جُھومتے اور بلند ذوق کا مظاہرہ کرتے ہُوئے ہر مصرعہ دُہراتے، یہ عیدالفطر (بروز اتوار) سے دوسرے روز سوموار کی بات ہے۔ راقم السطور نے پہلے سے ہی اپنی عزیزہ ہمشیرہ فاطمہ سلمہا اللہ تعالیٰ سے "سادھوکی" ملاقات کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ منگل کے روز صُبح ناشتہ میں بھائی صاحبؒ سے میں نے اس ارادہ کا ذکر کیا اور بخوشی اجازت مانگی۔ بڑی بشاشت سے اجازت دی۔ گیارہ بجے دن جب اپنے رفیق عزیز القدر عبدالستار آزادؔ کے ہمراہ روانگی کا وقت آیا۔ بھائی صاحبؒ آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے صبح کی اجازت پر اکتفا کیا اور آرام میں مُخل ہونا دل کو نہ بھایا۔ ہمارا پروگرام بدھ اور جمعرات کی دو راتیں گزار کر جمعرات کو ۱/۱۲ بجے پنڈ دادنخاں واپسی

کا تھا۔ مگر تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ واپسی کے روز شدید بارش تھی اور ہم اس روز گھر نہ پہنچ سکے۔ اُدھر بھائی صاحبؒ دو دن رات قیام کر کے جمعرات شام کو پنڈ داد نخان سے برائے لاہور روانہ ہو گئے۔ جمعہ کا دن گزار کے راقم السّطور کا پروگرام ہفتہ کے روز علی الصبح کلور کوٹ (بھکر) حضرت والدہ صاحبہ دام ظلّھا کی زیارت و ملاقات کے لیے جانے کا تھا۔ ہم حسبِ پروگرام کلور کوٹ پہنچ گئے یہاں سے واپسی کا پروگرام جمعرات ۱۲ بجے کا تھا۔ ابھی ہم سفر کے ذریعہ کے متعلق مصروفِ گفتگو تھے کہ قُبَیلِ عشاء (بروز بدھ) بھائی صاحب کے سفرِ آخرت پر روانہ ہونے کی کئی ذرائع سے خبر موصول ہوئی۔ اتنی جلدی اور اتنی تیز رفتاری سے ان کے دُنیا سے کُوچ کر جانے کا بالکل یقین نہ آرہا تھا مگر مصدقہ ذرائع کی وجہ سے یقین بغیر بھی چارہ نہ تھا۔ القصّہ رات کو کلور کوٹ سے سپیشل گاڑی کے ذریعہ سفر طے کر کے صبح تقریباً پونے چھ بجے لاہور پہنچ گئے۔ میرے ہمراہ عزیز عبد السّتار آزادؔ اور قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دو ہمشیرگان بھی تھیں۔ نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل ہو گئی۔ کتنے سعید شخص تھے کہ جنھیں غسل دینے والے۔ مرقد کی خصوصی پوشاک پہنانے والے نماز جنازہ کی امامت کرانے والے اور لحد میں اُتارنے والے اہلِ علم اور صاحبِ نسبت بزرگ ہوں۔ اور شرکائے نماز جنازہ کی واضح اکثریّت بھی عُلماء طلباء مشائخ (خواص) پر مشتمل ہو۔ بھائی صاحبؒ کی آخری اداؤں سے ایسا لگتا تھا کہ جیسے اپنے اصلی گھر روانہ ہونے والا تھکا ماندہ مسافر گزشتہ عید پر ہم سے آخری ملاقات کرنے آیا ہو اُس وقت کسے معلوم تھا ؟ بعد میں پتہ چلا کہ شاعرِ ختم نبوّت سیّد امین گیلانی کے اُوپر مذکورہ شعر

ہر زندگی کی موت حفاظت ہے کر رہی
ہر زندگی پہ موت کا پہرا دکھائی دے

کی حقیقت نکھر کے سامنے آئی۔ کہ قاری صاحب پر سے موت کا حفاظتی پہرہ ختم ہو گیا تھا۔

ع سخن ایں جا رسید و قلم بشکست

اللّٰھم اغفرلہ وعافہ وارفع درجاتہ وادخلہ الجنّۃ ووفّق لورثتہ صبرًا جمیلاً

نذرانۂ عقیدت

از : مولانا قاری غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی زید مجدہٗ

حضرۃ مولانا قاری عبد الرشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سُن کے لاہور میرے آنے کی
ٹھان لی کیوں یہاں سے جانے کی

چند لمحے تو رُو بہ رُو رہتے
اتنی جلدی بھی کیا تھی جانے کی

کچھ بھی کہنے نہ پائے تھے باہم
مسل لپٹی گئی فسانے کی

ہنستا کھلتا گلاب سا مُکھڑا
جان تھی سیتاپور گھرانے کی

قصرِ شاہی سے مجھ کو تھی محبوب
خاک ترے غریب خانے کی

غیر ممکن ہے تیرے بعد رشیدؒ
ہو ہوس دل کہیں لگانے کی

کیا سمجھ کے چھپایا مٹی میں
تھی کلید علم کے خزانے کی

ایسی باطل کو مات دی تُو نے
چھوڑی جرأت نہ سر اُٹھانے کی

زُہد و تقویٰ، خلوص و علم و یقین
ان سے زینت تھی اس زمانے کی

دیر تھی مُنہ تیرے چھپانے کی
بدلی دیکھی فضا زمانے کی

اس سراسیگی کی حالت میں
رہ گئی بات اک سُنانے کی

مَیں نے دیکھا رشیدؒ جنّت میں
چوکھٹیں پکڑے بالا خانے کی

کتنے احباب کو بُھاتی ہے
اِک غزل قاسمی دِوانے کی

ذہنی ارتداد

محدّث شیخ الاسلام، مفتی محمد سلمان صاحب زید مجدہٗ نے زیرِ نظر مضمون ہندوستان کے تعلیمی ماحول کے پسِ منظر میں لکھا ہے چونکہ پاکستان کا تعلیمی ماحول بھی کچھ اس سے مختلف نہیں اس لیے یہ مضمون شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے تاکہ مغرب سے مرعوب مسلمان آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں

آج کل جیسے جیسے مسلمانوں میں مال و دولت کی کثرت ہوتی جارہی ہے اسی رفتار سے معیاری کانونٹ نرسری اسکولوں میں بچّوں کو داخل کرنے کا رجحان بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ یہ نرسری اسکول ہر شہر اور قصبہ میں قائم ہیں اور اُنھیں مکمّل پلاننگ کے تحت چلایا جا رہا ہے۔ ان میں زیادہ تر تعداد ایسے اسکولوں کی ہے جن کا تعلّق عیسائی مشنریوں سے ہے۔ دوسرے نمبر پر ہندوؤں سناتن دھرمی اسکول (ایس ڈی اسکولز) اور تیسرے نمبر پر آریہ سماج تنظیموں کی طرف سے چلائے جانے والے ڈی اے وی پبلک اسکولوں کا درجہ ہے۔ ان اسکولوں کا ماحول پورے طور پر اپنی انتظامیہ کے مذہبی نظریات کی عکاسی کرتا ہے اور خاص طور پر ایس ڈی اور ڈی اے وی پبلک اسکولوں کا قیام ہندوؤں کی شدّت پسند تنظیم آر ایس ایس کے منصوبہ کا اہم حصّہ ہے جبکہ عیسائی مشنریوں کے اسکول جا بجا عیسائیت کی تبلیغ کے مرکز بنے ہوئے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچّوں کی ذہنیت کی تبدیلی اور برین واشنگ (دماغ کی صفائی) کا کام ان اسکولوں میں نہایت خوب صورت انداز میں کیا جا رہا ہے اور غیر محسوس طریقے پر معصوم بچّوں کے ذہنوں میں عیسائیت کا زہر سرایت ہو رہا ہے ابھی چند روز قبل مخدوم گرامی امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند نے بنگلور کے ایک صاحب کا واقعہ سُنایا کہ ان کا بچّہ مشن اسکول میں پڑھتا تھا ایک دن بچّہ کے سامنے کسی بات پر باپ کے منہ سے یہ کلمہ نکل گیا "سب کچھ کرنے والا ایک اللہ ہے"۔ تو یہ سُن کر بچّہ برجستہ بولا "نو! گاڈ اِس تھری" (نہیں خدا تو تین ہیں ایک نہیں)۔ ظاہر ہے کہ مسلم گھرانے میں پیدا ہونے والے بچّہ کو ابتداء ہی سے جب یہ باور کرایا جائے گا کہ خدا تین ہیں تو بڑے ہو کر کیسے اس کا ایمان سلامت رہے گا۔ آج عیسائی اسکولوں میں پڑھنے والا بچّہ اپنے پیغمبر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا اتنا احترام نہیں کرتا جتنا حضرت عیسیٰؑ کا احترام کرتا ہے۔ اس لیے کہ

اس کے سامنے اس کی اُستانیاں صرف حضرت عیسیٰؑ ہی کی اچھائیاں بیان کرتی ہیں اور بچہ اسی رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے۔ یہ صورت حال نہایت خطرناک ہے اور دردمندانِ ملت کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔ عیسائیت کی یہ تحریک اب برّصغیر میں ایک تناور درخت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ بنگلہ دیش جیسے خالص اکثریتی ملک میں ساٹھ ہزار سے زیادہ عیسائیت کے تبلیغی مراکز قائم ہیں جو تمام مادی وسائل کے ساتھ مُسلم بچّوں کو مرتد بنانے میں مصروف ہیں اور عیسائیوں کی عالمی مشنریاں ان کا مکمل تعاون کر رہی ہیں حتّٰی کہ نوبل انعام یافتہ عیسائیت کی مبلغہ "مدر ٹریسا" نے اعلان کیا ہے کہ آئندہ پچاس سالوں میں (خدانخواستہ) بنگلہ دیش ایک عیسائی ملک بن جائے گا۔ خود ہندوستان کے مغربی بنگال میں "بھانگڑ" نامی مقام پر عیسائی مشن نے ۸۰۰ مسلم بچّوں کو اُن کے ماں باپ سے عہدنامہ لکھوا کر اپنی تحویل میں لے لیا ہے تاکہ انھیں اپنی مرضی سے تعلیم دلا سکیں۔ الغرض یہ کانوینٹ مشن اسکول پورے ملک میں عیسائیت کی ترویج اور اشاعت میں لگے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ محض اپنے فیشن اور اسٹینڈرڈ کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی اولاد کو یہ میٹھا زہر پلانے میں مصروف ہے۔

اس ذہنی ارتداد میں ایس، ڈی اور ڈی، اے، ڈی اسکولوں کا حال بھی مشن اسکولوں سے مختلف نہیں ہے جہاں کے نصاب میں رام اور راماین اور آریہ سماجی مذہبی رہنماؤں کی سوانح حیات اس انداز میں پڑھائی جاتی ہے کہ بچّہ کے ذہن میں ان شخصیات کی عظمت راسخ ہو جاتی ہے اور شرک و بُت پرستی کی نفرت اس کے دل سے محو ہو جاتی ہے۔ پھر ماحول، لباس اور طرزِ زندگی وہی سکھایا جاتا ہے جو اُن کا مذہبی خاصہ ہے اور خداشناسی اور اسلامی رہن سہن سے دوری ہوتی چلی جاتی ہے ایسے ماحول میں پڑھنے والا بچّہ جب بڑا ہوتا ہے تو اس کے دل میں اسلام سے متعلق سخت قسم کے شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں شریعت کی پابندی اس کے لیے نہایت مشکل ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ ایمان سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ العیاذ باللہ

مسلمانوں کے اسکول

مسلمانوں نے گو کہ اب بہت سے نرسری اور پبلک اسکول قائم کر لیے ہیں لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں کم از کم ۷۵ فیصدی ایسے اسکول ہیں جن کے قیام کے پیچھے صرف اور صرف کمائی کا مقصد کارفرما ہے انھیں تعلیم یا تربیت سے کوئی سروکار نہیں۔ بس کمائی عمدہ ہونی چاہیے۔ یہی ان کا مطمحِ نظر ہے اور جہاں کچھ معیاری اسکول قائم ہیں ان میں اکثریت ایسے اسکولوں کی ہے جن کی انتظامیہ عیسائیوں اور ہندوؤں سے ضرورت سے زیادہ

مرعوبیت کا شکار رہتی ہے۔ وہ ہر وقت اس ادھیڑ بُن میں رہتے ہیں کہ کیا ایسی شکل اختیار کی جائے جس سے ہمارے اسکولوں میں پڑھنے والے مسلم بچّے کی اسلامی نشانی مٹ سکے، چنانچہ ان کے ڈریس میں انگریزی بال، ٹائی، نیکر قمیص اور بچّیوں کے لیے اسکرٹ وغیرہ لازمی ہوتے ہیں۔ صبح کو پڑھی جانے والی دُعا میں ایسی چیزیں شامل کی جاتی ہیں، جس سے سراسر سیکولرازم کا ثبوت ہو۔ وغیرہ وغیرہ اور اگر آپ ان اسکولوں کے احاطہ میں چلے جائیں تو اسکول کی کسی بھی چیز یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کسی مسلمان اسکول کی عمارت ہے۔ مرادآباد کے ایک مشہور مسلم پبلک اسکول کے بارے میں معلوم ہُوا کہ وہاں کے ایک دیندار ماسٹر نے جب پرنسپل سے درخواست کی کہ اسکول کے نمازی طلبہ اور ملازمین کے لیے کوئی کمرہ مخصوص کر دیا جائے۔ تاکہ وہ وہاں نماز ادا کر لیا کریں تو پرنسپل نے صاف جواب دیدیا کہ" ہم ایسا نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس عمل سے دیگر مذہب سے متعلّق بچّوں کو اذیّت ہو گی"۔ یہ ہمارا خود اپنے اداروں میں دوسروں سے مرعوبیت کا حال ہے کہ بچّوں کو نماز کی تلقین تو کجا، وہ پڑھنا بھی چاہیں تو ان کے لیے نماز کی جگہ کا انتظام کرتے ہُوئے بھی دم نکلتا ہے۔ عجیب معاملہ ہے دوسرے باطل مذہب کے لوگ تو اپنے اسکولوں کے ذریعہ بے خوف وخطر ہو کر اپنے مذہب کی اشاعت کر رہے ہیں اور ہم حق پر ہونے کے باوجود اپنے اختیاری اداروں میں بھی اسلامی نشانیاں برقرار رکھتے ہُوئے ڈرتے ہیں۔ دراصل یہ بھی انہی نرسری اسکولوں کے مضر اثرات میں سے ایک ہے۔ اس لیے کہ آج مسلمانوں کے کانوینٹ چلانے والے بھی وہی لوگ ہیں جو پہلے غیروں کے نرسری اسکولوں میں پڑھ چکے ہیں تو جو غیروں سے مرعوبیت کا مزاج ان کا بچپن میں بن چکا ہے وہ اب کیسے تبدیل ہو سکتا ہے۔ آج یہ شور مچانے والے تو بے شمار ہیں کہ دینی مدارس میں عصری علوم داخل ہوں اور ٹکنیکل تعلیم ہو وغیرہ وغیرہ، لیکن ان مسلم اسکولوں میں اسلام کی بُنیادی تعلیمات سے بھی دانستہ چشم پوشی کی جاتی ہے اس پر کسی نام نہاد دانشور کا خیال نہیں جاتا۔ اور ذہنی ارتداد کی جو وبا خُوب صُورت انداز میں پھیلتی جا رہی ہے اس پر کسی کی پیشانی پر شکن نہیں آتی۔ حالانکہ ایک مُسلمان کو تو سب سے زیادہ اپنے مذہب کی بقاء کی فکر ہونی چاہیے۔ ایمانی حمیت کا تقاضا یہی ہے۔

اوّلین ضرورت

بہرحال اب بھی ہمیں ہوش میں آجانا چاہیے اور غیر مسلموں کے کانوینٹ اسکولوں سے ذہنی ارتداد پھیل رہا ہے اس کا مؤثّر طور پر مقابلہ کرنے کا منصوبہ بنانا

چاہیے، مگر پہلے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اس فتنہ کا مقابلہ محض جذباتیت سے اور شور مچانے سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا ہے، بلکہ نہایت صبر و تحمل اور طویل المدتی منصوبہ کے ذریعہ ہی اس سیلاب پر بند لگایا جا سکتا ہے جس طرح یہ اسکول پچاس سال کی متواتر جدوجہد کے بعد موجودہ ترقی کے مقام پر پہنچے ہیں اسی طرح اگر آج ہم کام شروع کریں گے تو پچاس سال کے بعد کہیں جاکر اس کا ثمرہ اور نفع ظاہر ہوگا آج ضرورت ہے کہ ہر بستی اور قریہ میں اعلیٰ معیاری نرسری اسکول قائم کیے جائیں جن میں خاص طور پر درج ذیل اُمور کا لحاظ رکھا جائے۔

الف : اسکول کا ڈریس ایسا طے کیا جائے جس سے صاف معلوم ہو کہ یہ کسی اسلامی اسکول کا طالب علم ہے مثلاً بچّوں کے لیے ٹوپی اور بچّیوں کے لیے ساتر دوپٹہ وغیرہ

ب : اسکول کی دُعائیہ پریڈ میں قرآن کریم، اسلامی دُعائیں اور نظمیں شامل کی جائیں۔

ج : مسلم بچّوں اور بچّیوں کے لیے دینیات کا ایک درجہ لازمی رکھا جائے۔

د : نصاب کے مضامین میں بھی اسلامی تہذیب کا خاص خیال رکھا جائے۔

ھ : اگر سرکاری نصاب کی کتابیں اسکول میں داخل کرنا کسی وجہ سے ضروری ہو اور اُن میں غیر اسلامی تہذیب کی باتیں مذکور ہوں تو اُستاد اُنھیں اس طرح پڑھائیں جس سے بچّے کے دل میں اس غیر اسلامی تہذیب کی وقعت نہ پیدا ہو سکے۔

و : اسکول میں نماز باجماعت کا نظم کیا جائے۔

ز : اسکولوں میں اللہ کے مقبول بندوں اور اکابرِ علماء کی آمد و رفت کا ماحول بنایا جاتے۔ تاکہ بچّوں کے دِل میں اہلِ دین کی عظمت قائم ہو سکے۔

ح : ان تمام اُمور کے ساتھ ساتھ اسکولوں کا تعلیمی معیار دنیوی اعتبار سے اتنا بلند ہو کہ وہ بڑے سے بڑے مشن اسکول کا مقابلہ کر سکے۔

اُمید ہے کہ اگر ان مذکورہ بالا اُمور کی رعایت کر کے مسلم اسکول جابجا قائم کیے جائیں گے تو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی دنیوی تعلیم میں ترقی ہوگی بلکہ دینداری کے اعتبار سے بھی اچھے اور مثبت نتائج سامنے آئیں گے اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ شرور و فتن سے تمام مُسلمانوں کو محفوظ رکھے اور سیدھے راستہ پر استقامت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

قرآنِ پاک اور حروفِ سبعہ پر اس کا نزول

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدُ الواحِد

انوارِ مدینہ کے گزشتہ شماروں میں شائع شدہ مضمون "تحفہ اصلاحی" کی ایک قسط میں قرآن پاک کے حروف سبعہ پر نازل کیے جانے کے بارے میں ایک بحث مذکور تھی۔ اس بحث سے متعلّق جو اشکالات و اعتراضات وارد ہو سکتے تھے ان کو دُور کرنے کے لیے یہ تحریر پیشِ خدمت ہے۔

سبعۂ احرف سے متعلّق روایتوں کو اگر دیکھا جائے تو دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ ہیں جن میں قرآن پاک کے سبعۂ احرف پر نازل کیے جانے کی تصریح ہے۔ دوسری وہ ہیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمّت کی آسانی کی خاطر سات کے عدد تک رعایت کی درخواست فرمائی۔

پہلی قسم

وہ حدیثیں جن میں قرآن پاک کے سبعۂ احرف پر نازل ہونے کی تصریح ہے۔

۱۔ روی الحافظ ابو یعلی فی مسنده الکبیر

ان عثمان رضی الله عنه قال یوما وهو علی المنبر اذکر الله رجلا سمع النبی صلّی الله علیه وسلّم قال ان القرآن انزل علی سبعة احرف کلها شاف کاف لما قام فقاموا حتی لم یحصوا فشهدوا ان رسول الله صلّی الله علیه وسلّم قال انزل القرآن علی سبعة احرف کلها شاف کاف فقال عثمان رضی الله عنه وانا اشهد معهم

ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جبکہ وہ منبر پر تھے کہا میں اس شخص کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں جس نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے سُنا کہ قرآن سات حروف پہ نازل کیا گیا اور وہ تمام حروف کافی وشافی ہیں کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ تو بے شمار لوگ کھڑے ہو گئے اور ان سب نے گواہی دی کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ قرآن سات حروف پہ نازل کیا گیا ہے اور وہ سب حروف کافی وشافی ہیں تو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی تمہارے ساتھ اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔

۲۔ وروی البخاری ومسلم ایضا ۔(واللفظ للبخاری)

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول سمعت ھشام بن حکیم یقرأ سورۃ الفرقان فی حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستمعت لقراءتہ فاذا ھو یقرء ھو علی حروف کثیرۃ لم یقرء نیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکدت اساورہ فی الصلاۃ فانتظرتہ حتی سلم ثم لببتہ بردائہ او بردائی فقلت من اقرأک ھذہ السورۃ فقال اقرء نیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت لہ کذبت فواللہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأنی ھذہ السورۃ التی سمعتک تقرؤھا فانطلقت اقودہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ انی سمعت ھذا یقرأ بسورۃ الفرقان علی حروف لم تقرئ نیھا وانت اقرأتنی سورۃ الفرقان ۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلہ یاعمر ۔ اقرأ یا ھشام ۔ فقرأ ھذہ القراءۃ التی سمعتہ یقرؤھا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھکذا انزلت ۔ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرأوا ما تیسر منہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہشام بن حکیم (رضی اللہ عنہ) کو سورۂ فرقان پڑھتے سُنا۔ میں نے جب ان کی قرات کی طرف کان لگائے تو وہ ایسے بہت سے حروف پر پڑھ رہے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر جھپٹ پڑوں لیکن میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ اُنھوں نے سلام پھیر لیا۔ پھر میں نے ان کو ان کی ردا فرمایا اپنی چادر سے کھینچا اور پُوچھا کہ تمہیں یہ سورت کس نے پڑھائی۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ سورت مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ میں نے ان سے کہا کہ تم غلط کہتے ہو۔ اللہ کی قسم یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سُنی ہے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی ہے۔ پھر میں اُن کو کھینچتا ہُوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ان کو سورۂ فرقان ان حروف پر پڑھتے ہوئے سُنا جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے حالانکہ آپ ہی نے مجھے سورۂ فرقان پڑھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر ان کو چھوڑ دو۔ پھر فرمایا اے ہشام تم پڑھو تو اُنھوں نے یہی

قرات پڑھی جو میں نے اُن کو پڑھتے ہوئے سُنی تھی۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا (یہ سورت) اسی طرح نازل کی گئی۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے تو جو چاہو پڑھو۔

۳۔ اخرج الامام احمد بسندہ عن ابی قیس مولی عمرو بن العاص عن عمرو ان رجلا قرأ آیة من القرآن فقال له عمرو انما هی کذا و کذا۔ فذکر ذلك للنبی صلّی اللہ علیه وسلّم فقال ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فای ذلك قرأتم اصبتم فلا تماروا

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن کی ایک آیت پڑھی اس سے عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا یہ آیت تو اس اس طرح ہے۔ پھر اس کا ذکر نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کیا تو آپ نے فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے جو حرف بھی ہو تم پڑھو وہ دُرست ہے۔ لہٰذا آپس میں جھگڑا مت کرو۔

۴۔ اخرج ابن جریر الطبری عن ابی هریرة انه قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرءوا ولا حرج ولکن لا تختموا ذکر رحمة بعذاب ولا ذکر عذاب برحمة

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا یہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا۔ پس جس پر چاہو بلا کسی حرج کے پڑھو، البتہ رحمت کے ذکر کو عذاب کے ساتھ اور عذاب کے ذکر کو رحمت کے ساتھ ختم نہ کرو۔

دوسری قسم

وہ حدیثیں جن میں آسانی و تسہیل کی خاطر سات کے عدد کا ذکر ہے۔

۱۔ روی البخاری و مسلم فی صحیحیهما

عن ابن عبّاس رضی اللہ عنهما انه قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم اقرأنی جبریل علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده و یزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف

حضرت عبداللہ بن عبّاس رضؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا تو میں نے ان سے مراجعت کی اور میں

زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ (قرآن کے حرفوں میں) اضافہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہ سات حرفوں تک پہنچ گئے۔

۲ روی الامام احمد فی مسندہ عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ

ان جبرئیل قال یا محمد اقرأ القرآن علی حرف۔ قال میکائیل استزدہ حتی بلغ سبعۃ احرف قال کل شاف کاف مالم تخلط آیۃ عذاب برحمۃ او رحمۃ بعذاب نحو قولک تعال واقبل وھلم واذھب واسرع و عجل

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل (علیہ السّلام) نے کہا کہ اے محمدؐ قرآن کو ایک حرف پر پڑھیے۔ میکائیل (علیہ السلام) نے (نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے) کہا اس میں اضافہ کروائیے۔ یہاں تک کہ معاملہ سات حروف تک پہنچ گیا۔ جبرئیل علیہ السّلام نے کہا ان میں سے ہر ایک شافی کافی ہے تاوقتیکہ آپ عذاب کی آیت رحمت سے یا رحمت کو عذاب سے مخلوط نہ کردیں۔ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے تعال کے معنی کو اقبل ھلم اذھب اسرع اور عجل کے الفاظ سے ادا کریں۔

۳۔ روی مسلم بسندہ عن ابی بن کعب

قال کنت فی المسجد فدخل رجل یصلی فقرأ قراءۃ انکرتھا علیہ ثم دخل آخر فقرأ قراءۃ سوی قراءۃ صاحبہ فلما قضینا الصلاۃ دخلنا جمیعا علی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقلت ان ھذا قرأ قراءۃ انکرتھا علیہ ودخل آخر فقرأ سوی قراءۃ صاحبہ فامرھما رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقرأ فحسن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم شانھما۔ فسقط فی نفسی من التکذیب ولا اذکنت فی الجاھلیۃ فلما رای رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ما قد غشینی ضرب فی صدری ففضت عرقا وکانما انظر الی اللہ عزوجل فرقا فقال لی یا ابی ارسل الی ان اقرأ القرآن علی حرف فرددت الیہ ان ھون علی امتی فرد الی الثانیۃ اقرأہ علی حرفین فرددت الیہ ان ھون علی امتی فرد الی الثالثۃ اقرأہ علی سبعۃ احرف ولک بکل ردۃ رددتھا

مسألة تسالنيها فقلت اللّٰهم اغفر لامتى اللهم اغفر لامتى و اخرت الثالثة ليوم يرغب الى الخلق كلهم حتى ابراهيم صلّى الله عليه وسلّم

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ اس نے ایک ایسی قرات پڑھی جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کے سوا ایک اور قرات پڑھی۔ پس ہم نے نماز ختم کر لی تو ہم سب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پہنچے میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایک ایسی قرات پڑھی ہے جو مجھے اجنبی معلوم ہوئی۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا۔ اس نے پہلے کی قرات کے سوا ایک دوسری قرات پڑھی۔ اس پر آپ نے دونوں کو پڑھنے کا حکم دیا۔ ان دونوں نے قرات کی تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دونوں کی تحسین فرمائی۔ اس پر میرے دل میں تکذیب کے ایسے وسوسے آنے لگے کہ جاہلیّت میں بھی ایسے خیالات نہیں آئے تھے۔ پس جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے میری حالت دیکھی تو میرے سینے پر مارا جس سے میں پسینہ میں شرابور ہوگیا اور خوف کی حالت میں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے ابیؓ پروردگار نے میرے پاس پیغام بھیجا تھا کہ میں قرآن کو ایک حرف پر پڑھوں میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری اُمّت پر آسانی فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میں قرآن دو حرفوں پر پڑھوں۔ میں نے جواب میں درخواست کی کہ میری اُمّت پر آسانی فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے تیسری بار پیغام بھیجا کہ میں اسے سات حرفوں پر پڑھوں۔

۴۔ روى مسلم بسنده عن ابى بن كعب

ان النبى صلّى الله عليه وسلّم كان عند أضاة بنى غفار قال فاتاه جبريل عليه السّلام فقال ان الله يامرك ان تقرأ امتك القرآن على حرف فقال اسأل الله معافاته ومغفرته و ان امتى لا تطيق ذلك۔ ثم اتاه الثانية فقال ان الله يا مرك ان تقرأ امتك القرآن على حرفين فقال اسأل

اللہ معافاتہ و مغفرتہ و ان امتی لاتطیق ذلك ثم جاءہ الثالثۃ فقال ان اللہ یامرك ان تقرأ امتك القرآن علی ثلاثۃ احرف فقال اسأل اللہ معافاتہ و مغفرتہ و ان امتی لا تطیق ذلك ثم جاءہ الرابعۃ فقال ان اللہ یا مرك ان تقرأ امتك القرآن علی سبعۃ احرف فایما حرف قرء وا علیہ فقد اصابوا۔

ترجمہ : نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم بنو غفار کے تالاب ـــــــ کے پاس تھے تو آپ کے پاس جبرئیل علیہ السّلام آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی اُمّت قرآن کو ایک حرف پر پڑھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری اُمّت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر جبرئیل علیہ السّلام دوبارہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی اُمّت قرآن کو دو حرفوں پر پڑھے۔ آپ نے فرمایا مَیں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں۔ میری اُمّت میں اس کی طاقت نہیں ہے پھر وہ تیسری بار آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی اُمّت قرآن کو تین حرفوں پر پڑھے۔ آپ نے پھر فرمایا مَیں اللہ سے معافی اور مغفرت مانگتا ہوں میری اُمّت میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ پھر وہ چوتھی بار آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اللہ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی اُمّت قرآن کو سات حرفوں پر پڑھے۔ پس اُمّت کے لوگ جس حرف پر پڑھیں گے۔ اُن کی قراءت درست ہو گی۔

۵۔ روی الترمذی عن ابی بن کعب ایضا قال

لقی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جبریل عند احجار المروۃ قال فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لجبریل انی بعثت الی امۃ امیین فیھم الشیخ الفانی والعجوز الکبیرۃ والغلام۔ قال فمرھم فلیقرء وا القرآن علی سبعۃ احرف

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مروہ کے پتھروں کے پاس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ملاقات جبرئیل علیہ السّلام سے ہوئی تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا مجھے ایک ان پڑھ اُمّت کی طرف بھیجا گیا ہے جن میں بُوڑھے بھی ہیں ،

بُوڑھیاں بھی ہیں اور بچّے بھی ہیں۔ حضرت جبرئیل نے کہا آپ اُن کو حکم دیجیے کہ وہ قرآن کو سات حرفوں پر پڑھیں۔

۶۔ وفی لفظ حذیفۃ

فقلت یا جبریل انی ارسلت الی امۃ امیۃ فیھم الرجل والمرأۃ والغلام والجاریۃ والشیخ الفانی الذی لم یقرأ کتابا قط قال ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میں نے جبرئیل سے کہا کہ میں ایک اَن پڑھ اُمّت کی طرف بھیجا گیا ہوں جس میں مرد عورتیں بچّے بچّیاں اور ایسے لب گور بوڑھے جنھوں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی یہ سب ہی ہیں۔ تو جبرئیل علیہ السّلام نے جواب میں کہا کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے۔

ان دو قسموں کی حدیثوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دونوں کے مضمون مختلف ہیں۔ پہلی قسم کی حدیثوں میں اختلاف قراءت کا ذکر تو ہے، لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس بارے میں فقط یہ فرمایا کہ قرآن پاک سبعۃ احرف پر نازل کیا گیا ہے۔ جبکہ دوسری قسم کی احادیث میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی درخواست و مطالبہ پر یہ فرمایا گیا کہ آپ اپنی اُمّت کو سات طریقوں سے پڑھائیں یا آپ کی اُمّت سات طریقوں سے پڑھے۔ پھر وہ سات طریقے کیا ہیں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ وہ سات تک مرادفات ہیں۔ فرمایا جیسے تعالَ، اقبل هلم، اذهب، اسرع، عجل۔ ان دوسری قسم کی حدیثوں میں ان سات طریقوں کے منزل من اللہ ہونے کی تصریح نہیں ہے۔ سوائے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے کہ جس میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ فرمانے پر کہ میری اُمّت تو اُمّی ہے اور اُس میں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے کبھی کچھ پڑھا نہیں یہ کہا کہ ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف لیکن اس واقعہ سے متعلق جب حضرت عبداللہ بن عبّاس، حضرت ابوبکرہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم کی روایتوں کو دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی روایت بالمعنی ہے اور سات حروف یا سات

طریقوں سے پڑھنے کی اجازت کو انزل القرآن علی سبعۃ احرف کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے یا پھر مجاز پر محمول ہے۔ عام طور سے علماء و قراء حضرات ان سب حدیثوں کا ایک ہی مضمون مانتے ہیں اس لیے اُن کو ایک دوسرے پر محمول کرتے ہیں ـــــــــــــــــــ لیکن اس صورت میں سبعۃ احرف کی جو بھی تفسیر کی جائے وہ ایسی نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض و اشکال باقی نہ رہتا ہو مثلاً

جب ان تمام حدیثوں میں سبعۃ احرف سے مراد سات لغات ہوں

۱۔ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے سبعہ احرف سے قبائل عرب کی سات لغات مراد لی ہیں اور وہ فرماتے ہیں ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور تک قرآن ان ساتوں حروف پر پڑھا جاتا تھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب اسلام دُور دراز ممالک تک پھیلا تو ان حروف سبعہ کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑے ہونے لگے۔ مختلف لوگ مختلف حروف پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کی تلاوت کو غلط ٹھہراتے تھے۔ اس فتنہ کے انسداد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے پُوری اُمّت کو صرف ایک حرف یعنی لغت قریش کے مطابق سات مصاحف مرتب کرا کر مختلف صوبوں میں بھیج دیے اور باقی تمام مصاحف کو نذرِ آتش کر دیا تاکہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو سکے۔ لہٰذا اب صرف لغت قریش کا حرف باقی رہ گیا ہے اور باقی چھ حروف محفوظ نہیں رہے اور قراءتوں کا جو اختلاف آج تک باقی چلا آتا ہے وہ اسی ایک حرف قریش کی ادائیگی کے مختلف طریقے ہیں۔

اس قول پر ایک اعتراض یہ ہے کہ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ ایک طرف تو یہ فرماتے ہیں کہ ساتوں حروف منزل من اللہ تھے اور دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے چھ حروف کی تلاوت کو ختم فرما دیا حالانکہ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ بلا دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منزل من اللہ چھ حروف کو یکسر ختم کر دیا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے چھ حروف تو اختلاف کے ڈر سے ختم فرما دیے اور قراءتیں جوں کی توں باقی رکھیں۔ افتراق و اختلاف کا جو اندیشہ مختلف حروف کو باقی رکھنے میں تھا وہ قراءات کے اختلاف میں بھی تو ہے؟

جب تمام حدیثوں سے مراد سات مرادفات ہوں

۲- امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک صرف قریش کی لغت پر نازل ہُوا تھا، لیکن چونکہ اہلِ عرب مختلف علاقوں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کے لیے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دُشوار تھی۔ اس لیے ابتدائے اسلام میں یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کر لیا کریں، چنانچہ جن لوگوں کے لیے قرآن پاک کے اصلی الفاظ سے تلاوت مشکل تھی۔ اُن کے لیے خود نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسے مرادفات متعین فرما دیے تھے جن سے وہ تلاوت کر سکیں۔ یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کیے گئے تھے۔

لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دَور میں تھی۔ پھر جب رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرہ اثر بڑھتا گیا۔ اہل عرب اس کے عادی ہو گئے تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے قرآن کا آخری دور کیا جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر مرادفات سے پڑھنے کی یہ اجازت ختم کر دی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہُوا تھا۔

اس قول پر یہ اُلجھن ہے کہ قرآن پاک کی جو مختلف قراءتیں آج تک متواتر چلی آرہی ہیں اس قول کے مطابق اُن کی حیثیّت واضح نہیں ہوتی۔

جب تمام حدیثوں سے مراد قراءات کے سات قسم کے اختلافات ہوں

۳- امام مالک، ابو الفضل رازی، ابن قتیبہ، ابو طیب اور علاّمہ جزری رحمہم اللہ کے نزدیک سبعۃ احرف سے مراد قراءات میں سات قسم کے اختلافات ہیں۔

اس قول پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک کو سات حروف پر اس لیے نازل کیا گیا تاکہ اُمّت کے لیے تلاوت قرآن میں آسانی پیدا کی جائے۔ یہ بات لب و لہجہ سے تعلّق رکھنے والے کلمات تفخیم و ترقیق مدو امالہ وغیرہ میں تو سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور حذف

واثبات میں سمجھ نہیں آتی۔ مثلاً سورہ توبہ میں اعد لھم جنت تجری تحتھا الانھر اور تجری من تحتھا الانھر دو قراءتیں ہیں۔ یہاں صرف مِنْ کی ادائیگی میں کونسی دشواری ہے اور اگر ہے تو یہ اختلاف اس جیسی تمام آیات میں ہونا چاہیے۔ صرف ایک مقام میں کیوں ہے؟

غرض اوپر ذکر کی دو قسم ——— کی حدیثوں کو ایک دوسرے پر محمول کرتے ہوئے سبعة احرف کی جو بھی تفسیر کی جائے وہ اعتراض اور اُلجھن سے خالی نہیں۔

ان دو قسم کی حدیثوں کو علیحدہ علیحدہ مضمون پر محمول کریں

البتہ اگر حدیثوں کی مذکورہ بالا دو قسموں کو علیحدہ علیحدہ مضمون پر محمول کیا جائے تو پھر انشاءاللہ کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلی قسم کی حدیثیں جن میں یہ مضمون ہے کہ انزل القرآن علی سبعة احرف تو ان میں سبعة احرف سے مُراد قراءات میں سات قسم کے اختلافات ہوں۔ قرآن پاک انہی اختلافات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوا۔ یہ اب تک باقی ہیں اور ان کا نسخ نہیں ہوا۔

دوسری قسم کی حدیثوں میں مرادفات کا ذکر ہے۔ مرادفات کے عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہونے کے بارے میں:

۱۔ امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم نازل تو صرف قریش کی لغت پر ہوا تھا، لیکن چونکہ اہلِ عرب مختلف علاقوں اور مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر ایک کے لیے اس ایک لغت پر قرآن کریم کی تلاوت بہت دشوار تھی اس لیے ابتداءِ اسلام میں یہ اجازت دے دی گئی تھی کہ وہ اپنی علاقائی زبان کے مطابق مرادف الفاظ کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کر لیا کریں، چنانچہ جن لوگوں کے لیے قرآن کریم کے اصلی الفاظ سے تلاوت مشکل تھی۔ ان کے لیے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مرادفات متعین فرما دیے تھے جن سے وہ تلاوت کر سکیں۔ یہ مرادفات قریش اور غیر قریش دونوں کی لغات سے منتخب کیے گئے تھے اور یہ بالکل ایسے تھے جیسے تعال کی جگہ ھلم یا اقبل یا ادن پڑھ دیا جائے معنی سب کے ایک

ہی رہتے ہیں، لیکن یہ اجازت صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھی، جبکہ تمام اہلِ عرب قرآنی زبان کے پوری طرح عادی نہیں ہوئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اس قرآنی زبان کا دائرہ اثر بڑھتا گیا۔ اہل عرب اس کے عادی ہو گئے اور ان کے لیے اسی اصل لغت پر قرآن کی تلاوت آسان ہو گئی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام سے قرآن کریم کا آخری دَور کیا جسے عرضہ اخیرہ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر یہ مرادفات سے پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی اور صرف وہی طریقہ باقی رہ گیا جس پر قرآن نازل ہوا تھا۔"

(مشکل الآثار للطحاوی۔ بحوالہ علوم القرآن مولانا تقی عثمانی صہ ۱۰۱)

۲۔ محقق ابن جزری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

ولا شك ان القرآن نسخ منه وغير فيه فى العرضة الاخيرة فقد صح النص بذلك عن غير واحد من الصحابة و روينا باسناد صحيح عن زر بن حبيش قال قال لى ابن عبّاس اى القراءتين تقرأ قلت الاخيرة قال النبى صلّى الله عليه وسلّم كان يعرض القرآن على جبرئيل عليه السلام فى كل عام مرة قال فعرض عليه القران فى العام الذى قبض فيه النبى صلّى الله عليه وسلّم مرّتين فشهد عبدالله يعنى ابن مسعود مانسخ منه ومابدل

(النشر فى القراءات العشر ص ۳۲ ج ۱)

ترجمہ: "اس میں کوئی شک نہیں کہ عرضۂ اخیرہ کے موقع پر قرآن پاک میں نسخ اور تبدیلی ہوئی۔ اس کی تصریح متعدّد صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ہم تک صحیح سند کے ساتھ زر بن حبیش رحمہ اللہ کا یہ قول پہنچا ہے کہ مجھ سے ابن عبّاس رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم کونسی قراءت پڑھتے ہو۔ میں نے کہا آخری قراءت۔ زر بن حبیش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وجہ یہ تھی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر سال ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السّلام کو قرآن سنایا اس موقع پر جو منسوخ ہوا اور جو تبدیلی کی گئی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے شاہد تھے۔

ابن جزری رحمہ اللہ نے اپنے اس قول میں اگرچہ مرادفات کے عرضہ اخیرہ میں منسوخ ہونے

کی تصریح تو نہیں کی لیکن یہ قول ان کے نسخ پر اس طرح سے دلیل ہے کہ ابن جزری رحمہ اللہ نے عرضہ اخیرہ میں نسخ کے واقع ہونے کی تصریح کی ہے اور مرادفات ہی اس نسخ کا مصداق ہیں کیونکہ مرادفات کا وجود حدیث سے ثابت ہے اور ان کی بقاء بالاجماع ثابت نہیں اور کسی اور موقع پر ان کا منسوخ ہونا بھی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا قرین قیاس یہی ہے کہ عرضہ اخیرہ میں مرادفات ہی منسوخ ہوئے ہوں گے۔

۲۔ بعض حضرات کا قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں لغت قریش کے علاوہ باقی لغات موقوف کر دی گئیں۔ یہ قول بلا دلیل ہے کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب مصاحف لکھنے کے لیے ایک جماعت تشکیل دی تو اس جماعت سے فرمایا۔ اذا اختلفتم انتم و زید بن ثابت فی شیٔ من القران فاکتبوہ بلسان قریش فانما نزل بلسانھم جب تمہارے اور زید بن ثابت کے درمیان قرآن کے کسی حصّہ میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان پر لکھنا کیونکہ قرآن صرف ان کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے صاف معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا نزول صرف لغت قریش پر ہوا۔ اگر اور لغات پر بھی ہوتا جیسا کہ بعض وہ حضرات کہتے ہیں جو سبعة احرف سے سات لغات مراد لیتے ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یوں حصر کے ساتھ نہ فرماتے کہ انما نزل بلسانھم (قرآن پاک محض قریش کی لغت پر نازل ہوا ہے)

۳۔ بعض حضرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے باقی لغات کو منسوخ نہ کرنے کی یہ دلیل دی ہے کہ روایت حفص کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لغت قریش کے سوا اور لغات بھی موجود ہیں۔

اس دلیل سے خیال ہو سکتا ہے کہ شاید قرآن کا نزول سات لغتوں پر ہوا ہو یا سات نہیں تو بہر حال متعدد لغتوں پر ہوا ہو۔ اس خیال کے صحیح نہ ہونے کی دو وجوہ:

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد اس خیال کے منافی ہے۔

۲۔ کسی کلام میں چند ایک الفاظ کسی دوسری لغت کے آجانے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کلام دو لغتوں میں وارد ہوا ہے بلکہ وہ ایک ہی لغت پر شمار ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ الفاظ اگرچہ اصالۃً دوسری لغت کے ہوں، لیکن اس لغت میں بھی اُن کا

استعمال ہونے لگا ہو بالکل غیر معروف نہ ہو۔

قرآن کو سبعۃ احرف (اقسام اختلاف) پر نازل کیے جانیکی حکمتیں

۱۔ اُمّت پر خصوصًا اہلِ عرب کے لیے سہولت و آسانی

۲۔ حکم کا بیان

قرآن پاک میں ہے وان کان رجل یورث کلالۃ أو امرأۃ ولہ أخ أو اخت فلکل واحد منھا السدس اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے۔ ولہ اخ او اخت من ام۔ اس قراءت میں من ام کے زائد ہونے سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ حکم میں بھائی بہنوں سے ماں شریک بھائی بہن مراد ہیں۔

۳۔ دو مختلف حکموں کو جمع کرنا۔

مثلاً قرآن پاک میں ہے فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوھن حتی یطھرن ۔ یطھرن ایک قراءت میں طاء کے سکون کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں طا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ مشدد کا صیغہ عورتوں کے حیض سے طہارت میں مبالغہ کا مطلب دیتا ہے جس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ حیض سے پاک ہونے کے بعد عورت جب غُسل کر لے اُس وقت اُس قربت کی جائے۔

۴۔ دو مختلف حالتوں میں دو مختلف شرعی حکموں پر دلالت

قرآن پاک میں ہے۔ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وا مسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین اس آیت میں ارجلکم کی لام ہر ایک قراءت میں نصب ہے، اور دوسری قراءت میں جر ہے۔

نصب کی صورت میں پاؤں دھونے کا حکم ہے جبکہ پاؤں ننگے ہوں اور جر کی صورت میں مسح کرنے کا حکم ہے، جبکہ پاؤں پر چمڑے موزے پہنے ہوئے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان دونوں حکموں کو اسی طرح بتایا ہے۔

۵۔ جو مراد نہ ہو اس کے وہم کا دفعیہ

آیت ہے۔ یا ایھا الذین آمنو اذا نودی للصلاۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکراللہ اور دوسری قرات میں ہے فامضوا الی ذکر اللہ

فاسعوا سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ تیز تیز چلنے کا حکم ہے حالانکہ وہ مراد نہیں ہے۔ اس وہم کا دفعیہ فامضوا کے لفظ سے ہوگیا۔ کیونکہ اس کے معنی میں تیزی اور سرعت شامل نہیں ہے۔

۶۔ ایسے لفظ کا بیان جو بعض پر مبہم ہو۔

وتکون الجبال کالعھن المنفوش اور ایک اور قرات میں ہے کالصوف المنفوش دوسری قرات سے معلوم ہوا کہ عھن سے مراد صوف (اون) ہے۔

۷۔ ایسے عقیدے کی وضاحت جس میں بعض لوگ گمراہ ہوئے۔

جنت کے بارے میں آیت ہے واذا رأیت ثَمَّ نعیما و ملکا کبیرا

ایک قرات میں ملکا کی میم کا ضمہ اور لام کا سکون ہے جبکہ دوسری قرات میں کا فتحہ اور لام کا کسرہ ہے۔ دوسری قرات سے جنّت میں مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ کا دیدار ہونا ثابت ہُوا۔

تنبیہ

اس موضوع سے متعلق وہ روایات جن میں کوئی ایسی تصریح یا قرینہ موجود نہیں جس کی وجہ سے ان کے کسی ایک قسم میں داخل ہونے کا حتمی قول کیا جاسکے تو ایسی روایات بہرحال ان ہی دونوں قسموں میں سے کسی قسم میں داخل ہیں مثلاً

روی الحاکم وابن حبان بسندھما عن ابن مسعود قال

اقرأنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سورۃ من آل حٰم فرحت الی المسجد فقلت لرجل اقرأھا۔ فاذا ھو یقرأھا حروفا ما اقرأھا فقال اقرأنیھا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فانطلقنا الی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فاخبرناہ فتغیر وجھہ وقال انما اھلك من قبلکم الاختلاف ثم اسر الی علی شیئا فقال علی ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یامرکم ان یقرأ کل رجل منکم کما علم قال فانطلقنا وکل رجل یقرأ حروفا لا یقرؤھا صاحبہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مجھے حم والی ایک

(بقیہ بر صـ ۵۳)

وَفَیَاتُ الْاَعْیَانْ

ابھی عالمِ اسلام کی مشہور شخصیّت حضرت شیخ عبد الفتاح ابو غدہ علیہ الرحمۃ کی وفات کا غم ہلکا نہیں ہوا تھا کہ اُوپر تلے متعدّد اکابر عُلماء اور جید اساطین علم وفضل کی وفات کا سانحہ پیش آگیا جن میں سرِفہرست رئیس المتکلمین، شیخ المحدّثین حضرت مولانا محمّد منظور نعمانی رحمہ اللہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس شاہ عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ کی شخصیّت ہے، آپ ایک طویل عرصہ سے صاحبِ فراش تھے۔ طبیعت میں اُتار چڑھاؤ ہوتا رہتا تھا۔ بالآخر ۲۶ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ / ۴ مئی بروز اتوار آپ نے اپنی جان جاں آفرین کے سُپرد کر دی انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا علم وعمل تقوٰی وطہارت خلوص و للّٰہیت میں اسلاف کی روایات کے محافظ اور امین تھے دینِ اسلام کے لیے آپ کی ہمہ جہت خدمات نصف صدی سے زائد پر محیط ہیں۔ آپ کی تصنیفی، تالیفی اور تقریری خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے، آپ کی وفات سے علمی و دینی حلقوں میں پیدا ہونے والا خلا پُر ہوتا دکھائی نہیں دیتا، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و دینی خدمات کو قبولیت سے نوازے اور اپنی شایانِ شان رحمتیں نازل فرما کر وہاں کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ پس ماندگان کو صبرِ جمیل اور حضرت نور اللہ مرقدہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق خاص عطا فرمائے۔

دوسری شخصیّت "لسان التبلیغ" حضرت مولانا محمّد عمر پالن پوری رحمہ اللہ کی ہے، آپ ارکانِ حج کی ادائیگی کے بعد چند روز پیشتر ہندوستان واپس تشریف لائے ہی تھے کہ ایک تبلیغی دورہ کے درمیان اچانک حرکتِ قلب بند ہوجانے سے آپ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت مولانا کی عمر تقریباً پچاسی برس تھی جو تمام کی تمام اللہ کے دین کی اشاعت میں گزر گئی حضرت مولانا تبلیغی جماعت میں روح رواں کی حیثیّت رکھتے تھے۔ آپ کا بیان انتہائی پُراثر اور شیریں ہوتا اس ضعیفی میں بھی گھنٹوں بیان فرماتے اور لاکھوں کا مجمع آپ کا پُر درد بیان انتہائی انہماک سے سُنتا ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی اُکتاہٹ محسوس نہ کرتا اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ پر علوم کا دروازہ کھول دیا تھا اور زبان پر ان علوم کو انتہائی سادہ اور عام فہم انداز میں جاری فرما دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو "لسان التبلیغ" کہا جانے لگا تھا حج سے چند روز پیشتر مسجدِ نبوی میں اچانک حضرت پر

نظر پڑی مَیں نے آگے بڑھ کر مصافحہ کیا اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انتہائی خندہ پیشانی سے حضرت نے خیریت دریافت کی اور مَیں نے دعاؤں کی درخواست کی غالباً روضۂ اقدس پر حاضری کے لیے ویل چیئر پر تشریف لے جا رہے تھے۔ اس وقت حضرت کا چہرہ بہت پُر رونق اور شاداب تھا یوں لگا جیسے انوارات کی بارش برس رہی ہو۔ بعد ازاں آخری بار مواجہ شریف پر حاضری کے دوران حضرت کو روضۂ اقدس کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا۔ نور اللہ مرقدہ

بظاہر حضرتؒ کا بدل کہیں دکھائی نہیں دیتا، مگر اللہ تعالیٰ جو کہ قادرِ مطلق ہے اس کی ذات سے قوی اُمّید ہے کہ وہ حضرت اقدسؒ کا نعم البدل پیدا فرما کر اس سلسلۂ خیر کو جاری و ساری رکھے گا جو حضرتؒ کی ذات سے دُنیا کو پہنچ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی مساعیٔ جمیلہ کا بدلہ اپنے شایانِ شان اُن کو عطا فرما کر جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق سے نوازے۔

۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ/۱۴ مئی ۱۹۹۷ء بروز بدھ ضلع اٹک کی مشہور علمی شخصیّت حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت قاضی صاحب شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ کے تلمیذ اجل اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ عمر کے آخری حصّہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز کی سوانح پر "چراغ محمدؐ" کے نام سے ایک ضخیم کتاب تحریر فرمائی جسے عوام وخواص میں قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اکابر کے ساتھ قاضی صاحبؒ کا گہرا تعلق انشاء اللہ آخرت میں ان کے درجات کی بلندی کا سبب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قاضی صاحبؒ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۵ اور ۱۶ محرم الحرام کی درمیانی شب حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے بھانجے اور خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالوحید صاحب کا ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں انتقال ہوگیا آپ اپنے علاقہ کی ہر دلعزیز شخصیت تھے قرآن پاک سے خصوصی شغف تھا۔ اپنی زیرِ نگرانی ایک قرآنی مکتب چلا رہے تھے، اللہ تعالیٰ آپکے درجات بلند فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

۶ اور ۷ محرم الحرام کی درمیانی شب مولانا عبدالحمید فاروقی کا وصال ہوگیا۔ مولانا مرحوم معروف خطیب اور مدرسہ مظہر العلوم تلہ گنگ کے مہتمم تھے اللہ تعالیٰ آپکی مغفرت اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

۲۸ر اپریل کو جناب حاجی صغیر احمد صاحب مدظلہم (مالک مدینہ اسٹیشنری مارٹ) کے جواں سال صاحبزادے حبیب احمد کو دھنی رام روڈ پر نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے شہید کر دیا انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ یہ ظالمانہ قتل حاجی صاحب اور ان کے خاندان کے لیے انتہائی دردناک حادثہ ہے اور حاجی صاحب سے تعلّق رکھنے والا ہر شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ جیسے یہ حادثہ خود اس پر گزرا ہو، جواں سال بیٹے کی ناگہانی موت کے موقع پر حاجی صاحب سفرِ حج پر تھے وہیں ان کو اس حادثہ کی اطّلاع ملی۔ ایسے موقعہ پر غیر حاضری بعض اوقات صدمہ کا احساس بڑھا دیتی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اس حادثہ پر والدین اور دیگر پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرما کر اُن کے گناہوں کا کفّارہ اور درجات کی بلندی کا سبب بنائے۔

جملہ مرحومین کے لیے جامعہ میں دُعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔ (مدیر)

بقیہ حروفِ سبعہ

سورت سکھائی۔ پھر میں مسجد میں گیا اور میں نے ایک شخص کو وہی سورت پڑھنے کو کہا تو وہ اس کو ان حروف پر پڑھنے لگا جو میں نہیں پڑھتا تھا اور اس نے کہا کہ مجھے اس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پڑھایا ہے۔ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس گئے اور آپ کو یہ بات بتائی تو آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں کو اختلاف نے ہلاک کیا۔ پھر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (حضرت) علی سے کچھ سرگوشی کی تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص اسی طرح قرآن پڑھے جس طرح اس کو سکھایا گیا ہے۔ تو ہم چلے آئے اور ہم میں سے ہر شخص ان حروف پر پڑھتا تھا جن پر دوسرا نہیں پڑھتا تھا۔

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

علمی غیرت

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ (م ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء) نے اپنی کتاب "نظام تعلیم و تربیت" میں حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء) کے صاحبزادے مولانا نور الحق رحمہ اللہ (م ۱۰۷۴ھ/ ۱۶۶۳ء) کے ایک شاگرد سیّد محمّد مُبارک محدّث بلگرامی رحمہ اللہ (م ۱۱۱۵ھ/ ۱۷۰۳ء) کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔ یہ واقعہ سیّد محمّد مُبارک رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید مولانا طفیل محمد بلگرامی رحمہ اللہ (م ۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۸ء) کا چشم دید ہے اور اُنھوں نے یہ واقعہ اپنے شاگرد سیّد غلام علی آزاد بلگرامی رحمہ اللہ (م ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۵ء) کو سُنایا تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ یہ واقعہ انہی مولانا آزاد بلگرامیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، لیجئے ملاحظہ فرمائیے مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

"ان ہی مولانا نور الحقؒ کے ایک شاگرد سیّد محمّد مُبارک محدّث بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں مولانا آزادؒ نے ارقام فرمایا ہے کہ ان کے وُہی استاذ المحققین مولانا طفیل محمد بلگرامی نے اپنا یہ چشم دید واقعہ مولانا آزادؒ سے بیان کیا،

"روزے شرفِ خدمت حضرت میر (مُبارک) دریافتم تہیۂ وضوء برخاستہ بود ناگاہ بر زمین افتاد بہ سرعت تمام شتافتہ نزدیک رفتم بعد ساعتے افاقت آمد"	ایک روز مجھے حضرت میر مبارک کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہُوا، آپ وضوؑ کے ارادے سے تھے کہ اچانک زمین پر گر پڑے، میں نے جلدی سے پہنچ کر اُنھیں اُٹھایا، کچھ دیر بعد اُنھیں افاقہ ہوا۔

لیکن جانتے ہو کہ یہ میر مبارکؒ محدّث بیہوش ہو کر کیوں گر پڑے تھے، میر طفیل محمدؒ ہی کی زبانی اس کا افسانہ سُنیئے۔

"کیفیت استفسار کردم، بعد مبالغۂ بسیار فرمود" (مَیں نے حالت پُوچھی تو میرے انتہائی اصرار کرنے پر فرمایا۔)

مبالغۂ بسیار کے بعد کیا فرمایا

"سہ روز است کہ مطلقاً از جنسِ غذا میسّر نیامد" (تین دن گزر گئے کچھ بھی کھانے کو نہیں ملا۔)

گویا تین دن سے کھیل اُڑ کر مُنہ میں میر صاحبؒ کے نہیں پڑی تھی، پھر کیا اس فاقہ کے بعد اُنھوں نے چندہ کا اعلان کیا تھا، خود ہی فرماتے ہیں۔

"دریں سہ روز با ہیچ کس لب بہ اظہار نہ کشود و دام نہ گرفت" (ان تین دنوں میں نہ کسی کے سامنے کچھ ظاہر کیا اور نہ کسی سے قرضہ لیا۔)

علم کی غیرت کا یہ حال ہے اور دین کی پاسداری کا قصّہ اس سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ میر طفیل محمدؒ فرماتے ہیں کہ

"مرا بسیار رقت دست داد فی الفور از آنجا بہ مکانِ خویش رفتم وطعامِ شیرین کہ مرغوبِ ایشاں مہیّا ساختہ حاضر آوردم، اول بشاشتِ بسیار ظاہر نمود و دعاہا کرد" (مجھے (یہ سُن کر) بڑا ہی رونا آیا، مَیں وہاں سے فوراً اُٹھا اور گھر جا کر حضرتؒ کا پسندیدہ شیریں کھانا تیّار کروا کر لے آیا، آپ نے اوّلاً تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور بڑی دُعائیں دیں۔)

مگر یہ تو اپنے سعادت مند شاگرد کی ہمّت افزائی کے لیے بشاشت تھی۔ دینی ذمّہ داریوں کا احساس اَب بیدار ہوتا ہے اور فرماتے ہیں، تین دن کے بُھوکے بیہوش ہو کر گرنے والے میر مُبارکؒ فرماتے ہیں۔

"سخنے گویم بشرطیکہ شما گراں خاطر نہ شوید گفتم حضرت بفرمائید" (مَیں تم سے ایک بات کہتا ہوں بشرطیکہ تمہاری طبیعت پر گراں نہ گزرے، مَیں نے عرض کیا کہ حضرت (ضرور) فرمایئے)

دینی نکتہ نوازی سُنیئے اپنے اسی شاگرد سے جس کی خاطر شکنی بھی منظور نہیں فرماتے ہیں۔

"باصطلاحِ فقراء ایں راطعامِ اشراف (فقراء کی اصطلاح میں اس کھانے کو اشراف

گویند" والا کھانا کہتے ہیں۔

یعنی نفس نے جس کی طرف لو لگائی تھی یہ ایسا کھانا ہے، کیونکہ اظہارِ حال کے بعد اور میر طفیل محمدؒ کے جانے کے بعد میر مُبارکؒ کے نفس نے ظاہر ہے کہ کھانے کی اُمّید قائم کر لی تھی، اس کے بعد میر مبارکؒ فرماتے ہیں۔

"ہر چند نزدِ فقہاء اکلِ آں جائز است و در شرع بعد از سہ روز میتہ حلال، اما در طریقہ فقراء اکلِ طعامِ اشراف جائز نیست" گو کہ فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور شریعت میں تین دن کے بعد مردار بھی حلال ہو جاتا ہے، تاہم فقراء کے نزدیک طعامِ اشراف کا کھانا جائز نہیں۔

یعنی مخلوق سے توقع قائم کرنے کے بعد جو چیز سامنے آئے اِن لوگوں کے لیے اس کا لینا جائز نہیں ہے جنہوں نے۔ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ (نہیں روکنے والا ہے اس سے کوئی جسے تو دے اور نہ دینے والا ہے کوئی اسے جس کے لیے تو روک دے۔) پر کمرِ ہمّت چست کی ہو اور جنہوں نے۔ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ (آدمی کے لیے اللہ جس رحمت کو کھول دیتا ہے پھر اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جسے روک دیتا ہے اس کا جاری کرنے والا بھی اس کے بعد کوئی نہیں)۔ ہی کے تجربہ کا نام "الحیوۃ الدنیا" قرار دے رکھا ہے۔ میر طفیل محمدؒ استاذ کے مذاق شناس تھے، بغیر کسی اصرار اور رَدّ وکَدّ کے کھانا سامنے سے اُٹھا لیا اور چلے گئے اوٹ میں جانے کے بعد پھر لوٹے اور اب کھانا پیش کر کے اُستاد سے پوچھتے ہیں۔

"ہر گاہ بندہ طعام را برداشتہ بُرد حضرت را توقع بود کہ باز خواہم آورد" (جس وقت بندہ کھانا اُٹھا کر لے گیا تھا کیا حضرت کو اسکی توقع تھی کہ میں واپس آؤں گا۔)

فرمایا "نے" نہیں، میر طفیل محمدؒ نے عرض کیا

"حالا ایں طعام بے توقعِ حضرت آوردہ" اَب جبکہ مَیں یہ کھانا حضرت کی توقع کے بغیر

ام طعامِ اشراف نماند" لایا ہوں تو اب یہ طعامِ اشراف نہیں رہا"
سعید شاگرد کی اس حسنِ تدبیر پر استاذ خوش ہوئے اور بولے
"شما عجب فراستے بہ کار بروید" تم نے بڑی فراست سے کام لیا،
اس منطق سے جو منطق نہیں واقعہ تھا۔ استاذ کو شکست کا اعتراف کرنا پڑا اور
"طعام بہ رغبتِ تمام تناول فرمود" اور انتہائی رغبت کے ساتھ کھانا کھالیا"[1]

شانِ استغنا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ "اخبار الاخیار" کے حوالے سے رقمطراز ہیں "محدث دہلوی شیخ عبدالحق رح نے اخبار میں لکھا ہے کہ گجراتی سلطان بہادر خاں مُدّت العمر اس آرزو میں رہا کہ شیخ متقی رح اس کے شاہی محل سرا کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے سعادت اندوزی کا موقع دیں، لیکن آرزو پوری نہیں ہوتی تھی، وقت کے قاضی عبداللہ السندی کو بادشاہ نے تیار کیا کہ کسی طرح سمجھا بجھا کر ایک ہی دفعہ سہی شیخ کو شاہی کوشک میں لے آئیں۔ السندی بڑی جدوجہد کے بعد کامیاب ہوئے، مگر شیخ نے شرط کر دی تھی کہ بادشاہ کے ظاہر یا باطن میں اگر کوئی اجنبی غیر اسلامی عنصر نظر آئے گا تو میں خاموش نہیں رہ سکتا، برسرِ دربار ٹوک دوں گا، شرط منظور کر لی گئی۔ شیخ سے بادشاہ نے کہلا بھیجا۔ "ملازماں ہرچہ دانند بگویند و بکنند" (جناب کے خدام جو مناسب سمجھیں کہیں اور کریں) شیخ تشریف لائے اور جو جی میں آیا گجرات کے اس بادشاہ کے منہ پر فرماتے چلے گئے، محدّث دہلوی رح نے لکھا ہے نصیحتے کہ بالیست کرد اورا کہ دند (شیخ کے معتقدین نے اسے نصیحتیں کیں) اور اُٹھ کر چلے آئے، اس

---

[1] پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۲۲

کے بعد کیا ہُوا اِس زمانے کے مولوی کے سینے میں حوصلہ ہے جو یہ سُن سکتا ہے فرماتے ہیں لاکھ دو لاکھ نہیں "یک کروڑ تنکہ گجراتی فتوح فرستاد" (دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ روپے گجراتی بطور ہدیہ شیخ کی خدمت میں روانہ کیے) واللہ اعلم گجراتی تنکہ کی کیا قیمت تھی، تاہم وہ تنکہ ہی تھا، روپیہ سے کیا کم ہوگا اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ، نہیں بلکہ میرے نزدیک تو ہم جیسوں کے لیے دِل ہلا دینے والا شرم سے گردنوں کو جھکا دینے والا واقعہ ہے "کہ آں مبلغ (یک کروڑ تنکہ گجراتی) را بہ تمام بقاضی عبداللہ السندی مذکور دادند" (آپ نے وہ ایک کروڑ گجراتی تنکے سب کے سب قاضی عبداللہ سندی کو دے دیے) دُنیا کے بادشاہ نے جو کچھ بھی بھیجا تھا دین کے بادشاہ نے اس کو پھر اسی کے ملازم کے حوالہ کر دیا، فرمایا کہ "ایں فتوح بہ توسل او آمدہ است (چونکہ بادشاہ کی ملاقات کا ذریعہ تم تھے اس لیے پس مستحق او ہموں است" [1] یہ ساری رقم تمہاری ہے)

حضرت شیخ علی متقی رح حنفی رح اپنے زمانے کے بہت بڑے محدّث اور انتہائی مرتاض بزرگ ہیں، ۸۸۵ھ میں ہندوستان کے صوبہ دکن کے ایک شہر برہان پور میں پیدا ہوئے۔ وقت کے بڑے بڑے علماء و مشائخ سے فیض حاصل کیا، کچھ عرصہ بعد ہجرت کر کے مکّہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں شیخ شہاب الدین احمد بن حجر ھیتمی مکی شافعی رح سے حدیث کا اور شیخ ابوالحسن بکری شافعی رح سے طریقت کا درس لیا، شریعت و طریقت میں آپ اس قدر بلند مرتبہ پر پہنچے کہ خود آپ کے اساتذہ و مشائخ کو آپ پر فخر ہونے لگا، چنانچہ آپ کے استاذِ حدیث شیخ ابن حجر ھیتمی رح آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، آپ نے تقریباً سو کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سب سے اہم کتاب "کَنْزُ الْعُمَّال" ہے، یہ احادیث نبویہ کا دائرۃ المعارف ہے جس میں تقریباً سینتالیس ہزار احادیث جمع کر دی گئی ہیں۔ اس

---

[1] پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ج ۱ ص ۲۳۷

کتاب کو دیکھ کر آپ کے شیخ محدّث ابوالحسن بکریؒ نے فرمایا تھا" لِلسِّیُوطِی مِنَّۃٌ عَلَی الْعَالَمِیْنَ وَلِلْمُتَّقِیْ مِنَّۃٌ عَلَیْہِ "[1] یعنی سیوطیؒ کا احسان تو دُنیا پر ہے اور سیوطیؒ پر شیخ متقیؒ کا احسان ہے۔ ۹۷۵ھ ہجری میں حضرت شیخ علی متقیؒ کا انتقال ہوا اور جنت المعلی مکّہ مکرمہ میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ جو حضرت شیخ علی متقی رحمہ اللہ کے ایک واسطے سے شاگرد ہیں فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ برس بعد آپ کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ آپ کا جسم اپنے کفن میں جوں کا توں اپنی اصلی خشک حالت میں موجود ہے حالانکہ مکّہ معظمہ کی زمین کی یہ حالت ہے کہ تین چار ماہ کی قلیل مدّت میں میت بالکل مٹی ہوجاتی ہے اور اس جسم کا کوئی اثر نظر نہیں آتا ہے۔"[2]

عشق عجیب چیز ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اس عشق اور محبّت کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ ایک قاری صاحب تھے، ریاست رامپور میں اُنھوں نے حج کا ارادہ کیا۔ خرچ پاس نہ تھا۔ سفر شروع کیا۔ دن کو روزہ رکھتے۔ پیدل چلتے اور شام جہاں ہوجاتی ٹھہر جاتے کچھ چنے ساتھ لے لیے تھے۔ دن کو روزہ رکھتے شام کو ایک مٹھی چنوں سے افطار فرمالیتے۔ غرض اسی طرح بمبئی پہنچ گئے۔ کوئی جہاز تیار ہوا کپتان جہاز سے ملے کہ ہم جدّہ جانا چاہتے ہیں اور خرچ ہمارے پاس ہے نہیں۔ ہم کو کوئی نوکری جہاز میں دے دو۔ اس نے نورانی صورت دیکھ کر سمجھا کہ ان کو ایسی نوکری بتاؤں جس کو

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی کے دل میں تمام حدیثوں کو ایک کتاب میں جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا اور "جمع الجوامع" کے نام سے ایک کتاب تالیف بھی کی لیکن ترتیب کے لحاظ سے اس کتاب سے استفادہ آسان نہیں تھا، شیخ علی متقی رحمہ اللہ نے نئے سرے سے اس کام کو ایسی عمدہ ترتیب سے انجام دیا کہ علامہ سیوطیؒ کی کتاب کی جگہ اُن ہی کی کتاب نے لے لی۔

[2] اخبارالاخیار فارسی ص ۲۶۶

یہ قبول ہی نہ کر سکیں۔ کہا کہ بھنگی کی جگہ خالی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے اُس نے دیکھا کہ یہ تو اِس پر آمادہ ہیں تو اور بات گھڑی کہ محض بھنگی ہی کا کام نہیں اسکے ساتھ بوجھ بھی اُٹھانا پڑتا ہے اُنھوں نے کہا کہ وہ بھی منظور ہے۔ اس نے کہا کہ اچھا بوجھ اُٹھانے میں امتحان دو ایک بورا تھا جس میں اڑھائی تین من وزن تھا کہا کہ اس کو اُٹھاؤ اُنھوں نے اس بورے کے پاس پہنچ کر حق تعالیٰ سے دُعا کی کہ یہاں تک تو میرا کام تھا۔ اب آگے آپکا کام ہے۔ مجھ میں قوّت دے دیجئے پس بسم کہکر بورے کو سر سے اونچا اُٹھالیا تب تو کپتان جہاز مجبور ہوا۔ اُنھوں نے بھنگی کا کام شروع کر دیا شب کے وقت قاری صاحب حسبِ معمول تہجد پڑھتے۔ ایک روز جہاز کے کنارے پر کھڑے تہجد پڑھ رہے تھے اور اس میں جہر کے ساتھ تلاوتِ قرآن کر رہے تھے کہ اتّفاق سے وہ انگریز کپتان جہاز اس طرف آ نکلا۔ قرآن شریف بہت ہی عمدہ پڑھتے تھے۔ انگریز کو سن کر بہت اچھا معلوم ہوا۔ قاری صاحب نے جب سلام پھیر دیا تو اس نے پُوچھا کہ تم کیا پڑھتے تھے؟ کہا کہ قرآن، پُوچھا کہ قرآن کس کو کہتے ہیں کہا کہ ایک کتاب ہے خدا کا کلام ہے۔ اس نے کہا کہ ہم کو بھی سکھا دو اُنھوں نے کہا کہ ہر شخص نہیں سیکھ سکتا۔ اسکے لیے پاک ہونیکی ضرورت ہے۔ اس پر کہا کہ ہم غُسل کر لیں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ ظاہری غُسل سے کچھ نہیں ہوتا باطنی غسل کی ضرورت ہے۔ کہنے لگا کہ باطنی غُسل کیسے ہوتا ہے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے سے ہوتا ہے یہ سُن کر کہنے لگا کہ ہم کو سکھلا دو اُنھوں نے سکھلا دیا اور وہ اس کو یاد کرتا پھرتا تھا۔ دوسرے انگریزوں نے اسکی میم سے کہہ دیا۔ میم نے پُوچھا کیا تم مسلمان ہوگئے؟ کہا نہیں، پھر اُس نے قاری صاحب سے کہا کہ کیا ہم کلمہ پڑھنے سے مسلمان ہو گئے۔ اُنھوں نے فرمایا آج کیا مدّت ہوئی۔ اوّل تو وہ کچھ گھبرایا۔ اسکے بعد کہا کہ اچّھا ہم مُسلمان ہی ہوتے ہیں اور میم سے کہہ دیا کہ اگر ہمارا ساتھ دینا ہے تم بھی مُسلمان ہو جاؤ۔ اُس نے انکار کیا۔ آخر جدہ پہنچ کر اپنے نائب کو چارج دے کر خود قاری صاحب کے ساتھ ہو لیا اور خادموں میں داخل ہو کر حج کو چلا گیا۔ تو حضرت یہ عشق وہ چیز ہے کہ اس میں آدمی آبرو مال جان سب کچھ دے بیٹھتا ہے۔ کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ ہم میں اسی کی کمی ہے ورنہ جس کے اندر یہ حالت پیدا ہو جائے اس پر خدا کا بڑا افضل ہے۔" [1]

---

[1] الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۱۸۵

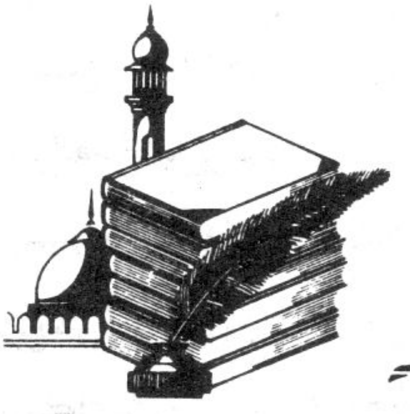

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب: قرآن پاک (مُترجَم)

مترجم : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

صفحات: ۷۷۴

ناشر : مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : درج نہیں۔

حضرت صوفی صاحب دامت برکاتہم کی شخصیّت محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینِ متین کی نشر و اشاعت کا ایک خاص جذبہ عطا فرمایا ہے۔ آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ تفسیر "معالم العرفان فی دروس القرآن" ہے جو بیس ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر قبولِ عام کا درجہ حاصل کر چکی ہے، اور علماء طلباء نیز عوام الناس کے استفادہ کا ذریعہ بن رہی ہے۔ زیرِ نظر ترجمۂ قرآن اِسی تفسیر سے اخذ کر کے علیحدہ شائع کیا گیا ہے تاکہ جو لوگ صرف ترجمہ پڑھنا چاہیں اُن کے لیے آسانی ہو جائے۔ ترجمہ انتہائی سلیس بامحاورہ اور دلکش انداز میں کیا گیا ہے۔ جس سے آسانی کے ساتھ مطلب سمجھ میں آجاتا ہے۔ کاغذ و طباعت عمدہ ہے اور ڈائی دار جلد سے مزیّن ہے۔ ترجمہ کا یہ پہلا ایڈیشن ہے اگلے ایڈیشن میں اگر اس کی خوشنمائی پر مزید توجّہ دی جائے تو اچھّا ہوگا۔ راقم الحروف نے چند چیزیں محسوس کی ہیں وہ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) ترجمہ بین السطور ہے اور جلی قلم ہے جس کی وجہ سے عربی گھُٹ کر رہ گئی ہے اگر عربی جلی قلم نئے انداز سے کتابت کرا کر درج کی جائے تو اچھّا ہو۔

(۲) ہر سپارہ جفت عدد پر مکمل کر کے دوسرا سپارہ طاق عدد سے شروع کیا جائے تاکہ نیا سپارہ فرنٹ پیج سے شروع ہو۔

(۳) ہر سپارہ کو پورے صفحہ پر ختم کیا جائے صفحے کے نیچے خالی جگہ نہ چھوڑی جائے۔

(۴) شروع میں اگر قرآن مجید کی مختصر تاریخ اور اس کے فضائل و آداب تلاوت ذکر کر دیے جائیں تو اس سے اس ترجمہ کی افادیت میں اضافہ ہوگا۔

نام کتاب: بڑے گناہوں کا تحقیقی جائزہ

مؤلف: مولانا محمد عتیق الرحمٰن صاحب مدرس جامعہ اشرفیہ لاہور

صفحات: ۳۹۲

سائز: ۲۶×۲۰/۸

ناشر: ادارہ عتیقیہ جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

قیمت: درج نہیں

کتاب و سنّت میں صغیرہ و کبیرہ ظاہری و باطنی ہر قسم کے گناہوں سے بچنے کی انتہائی تاکید کی گئی ہے لیکن بہت بڑا المیہ ہے کہ جس قدر گناہوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے اُتنی ہی کثرت کے ساتھ لوگ گناہوں کا شکار ہو رہے ہیں صرف اسی پر بس نہیں افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ عوام النّاس کے دلوں سے گناہوں کی نفرت ختم ہوتی جارہی ہے اور وہ گناہوں کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہے، اعاذنا اللہ۔

ہر دور میں علماء ربانیین عوام النّاس کو گناہوں کی اہمیّت سے آگاہ کرنے کے لیے چھوٹی بڑی کتابیں لکھتے لکھاتے رہے ہیں۔ جن میں سے علّامہ ذہبی رحمہ اللہ (م ۷۴۸ھ) کی "کتاب الکبائر" اور علّامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (م ۹۷۴ھ) کی "الزواجر عن اقتراف الکبائر" نہایت اہم کتابیں ہیں۔ ثانی الذکر کتاب اپنے موضوع پر ایک ضخیم کتاب ہے جس میں علّامہ ہیتمیؒ نے ۴۶۷ کبیرہ گناہ شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب "بڑے گناہوں کا تحقیقی جائزہ" علّامہ ہیتمیؒ کی اسی کتاب کی تلخیص ہے جو حضرت مولانا صوفی سرور صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کے لائق فرزند مولانا محمد عتیق الرحمٰن نے محنت و جانفشانی کے ساتھ کی ہے۔ اصل کتاب چونکہ عربی میں ہے اس لیے عوام کا اس سے استفادہ

کرنا مشکل تھا، مولانا کی اس محنت سے انشاء اللہ عوام مختصر وقت میں اس کتاب سے خاطر خواہ استفادہ کرسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس محنت کو قبول و منظور فرمائے کتاب کے شروع میں چند بزرگوں کی تقریظیں درج کی گئی ہیں جن میں سے آخری تقریظ مولانا محمود الحسن صاحب کی ہے۔ اس تقریظ میں دو باتیں محل نظر ہیں جن کی تصیح ضروری ہے۔ پہلی بات یہ کہ مولانا نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کو میاں جی نور محمد رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ شاہ محمد آفاق رحمہ اللہ کا خلیفہ بھی تحریر فرمایا ہے تاریخی حوالے سے یہ بات دُرست نہیں ہے، اس لیے کہ حضرت حاجی صاحبؒ حضرت شاہ محمد آفاقؒ کے خلیفہ نہیں تھے، البتہ حضرت حاجی صاحبؒ حضرت مولانا نصیر الدّین دہلوی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے اور حضرت مولانا نصیر الدّین دہلویؒ حضرت شاہ محمّد آفاق رحمہ اللہ (م ۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۵ء) کے خلیفہ تھے۔ دوسری بات یہ کہ مولانا محمود الحسن تحریر فرماتے ہیں۔

"میرے ممدوح حکیم الاُمت قدس سرّہ حج ثانی ۱۳۱۱ھ سے واپس ہونے لگے تو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ مراقب ہوئے اور فرمایا حیرت ہے قاسم ورشید سے ان کا درجہ بڑھ گیا" الخ [1]

تلاش بسیار کے باوجود راقم کو اس کا حوالہ دستیاب نہیں ہوسکا آئندہ ایڈیشن میں اگر اس کا حوالہ درج کردیا جائے تو بہتر ہوگا۔ اس لیے کہ بے حوالہ باتیں اکثر بے وزن اور ناقابلِ اعتبار سمجھی جاتی ہیں۔

نام کتاب : رونق محفل

تصنیف : مولانا امیر احمد صاحب مظاہری

صفحات : ۱۵۲

سائز : ۲۳×۳۶/۱۶

ناشر : طیب اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : درج نہیں

زیر تبصرہ کتاب "رونق محفل" اُن علمی، دینی اور اصلاحی مکالموں کا دلچسپ مجموعہ اور دلکش

---

[1] زیر تبصرہ کتاب ص۸

مرقع ہے جو مولانا امیر الدین صاحب مظاہری نے اپنے قلمِ حقیقت رقم سے تخلیق فرماتے ہیں، مولانا مدظلہٗ کتاب کے پیش لفظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"(ہندوستان میں) مدارسِ دینیہ کے جلسوں کا یہ معمول ہے کہ جلسہ کی ابتداء مدرسہ کے خوش الحان بچوں کی تلاوتِ قرآن اور مفید و مؤثّر نظموں اور دلچسپ و اصلاحی مکالموں سے کی جاتی ہے تاکہ علماء کی تقریریں سننے کے لیے مجمع مطمئن ہو کر بیٹھ جائے اور کچھ مفید باتیں گوش گذار ہو سکیں اور یہ وقت دلچسپی کے ساتھ گذر جائے، احقر نے اس مقصد کے لیے مدرسہ مظہر العلوم شوندت ضلع میرٹھ کے سالانہ جلسوں کے واسطے مختلف اوقات میں مختلف موضوعات پر پچاس سے متجاوز مکالمے لکھے ہیں اور مدرسہ کے بچّوں نے نہایت دلچسپ انداز میں پیش کر کے حاضرینِ جلسہ سے داد و تحسین حاصل کی ہے۔ مختلف اہلِ علم حضرات نے ان کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور سراہا اور اُن کی افادی حیثیّت کو مدِ نظر رکھتے ہُوئے ان کی طباعت کا مشورہ دیا۔"[1]

مولانا اسحٰق صاحب مالک ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان نے ہندوستان کے مطبوعہ نسخہ کا عکس لے کر پاکستان میں شائع کیا ہے۔ کتابت و طباعت عمدہ ہے اور لیمینیشن جلد سے مزیّن ہے۔

(ن - د)

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجیے

---

[1] رونق محفل ص۶

جامعہ مدنیہ لاہور کیلئے تعاون کی اپیل

جامعہ مدنیہ لاہور کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء ۱۹۴۷ء میں ہوئی تھی۔ گویا اس وقت جامعہ زندگی کی ۴۲ بہاریں پوری کر کے ۴۳ ویں میں داخل ہو رہا ہے۔ بحمداللہ اس عرصہ میں جامعہ سے سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں حفاظ و قراء تیار ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ جامعہ میں درسِ نظامی درجاتِ تکمیل اور درجاتِ تجوید و قرأت عشرہ و حفظ و ناظرہ و دینیات کا مکمل انتظام ہے۔ حتّٰی کہ طب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ طلبہ خوشنویسی بھی سیکھتے ہیں۔

اس سال تقریباً ۸۲۴ طلبہ نے قابل و لائق اساتذہ کی زیرِ نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی، اُن میں ایک سو سے زائد طلبہ کے خورد و نوش وظائف کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا، لیکن گزشتہ چند سالوں میں ہوشربا گرانی نے اس درجہ پریشانی پیدا کر دی ہے کہ سب کارکنانِ مدرسہ اس بارے میں متفکر ہیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا یہ عظیم مرکز بیش از بیش علمی خدمات انجام دے اور مہمانانِ رسول ان قدسی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہیں تو آپ خود بھی اس نیک کام میں پوری قوّت سے مدد کیجیے اور اپنے احباب کو بھی اس کارِ خیر میں حصّہ لینے کی ترغیب دیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت لیں۔ آمین

ہم ہیں آپ کے مخلص

اراکینِ جامعہ مدنیہ، لاہور